سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر (۲۸)

نکات الشعرا

مصنفہ

میر تقی میر

مرتبہ

مولوی عبدالحق صاحب معتمد اعزازی
انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

سنہ ۱۹۳۵ع

طبع ثانی ۱۰۰۰

فہرست مضامین

باعتبار حروف تہجی

مقدمہ

میر صاحب کے حالات اس زمانے میں کافی طور پر شایع ہو چکے ہیں اور خصوصاً "ذکر میر" کی اشاعت سے اُن حالات اور واقعات کا انکشاف ہوا ہے جو اس سے قبل کسی تذکرے وغیرہ میں نہیں پائے جاتے تھے۔ اس لیے اس بارے میں کچھ لکھنا لاحاصل ہے۔ البتہ تذکرے کے متعلق چند باتیں بطور مقدمے کے لکھنی ضروری معلوم ہوتی ہیں —

اس وقت تک جتنے تذکرے دستیاب ہوے ہیں ان میں "نکات الشعرا" کو تقدم حاصل ہے - میر صاحب کے علاوہ بعض اور تذکرہ نویس بھی اس بات کے مدعی ہیں کہ سب سے پہلے ریختہ گو شعرا کا تذکرہ انھوں نے لکھا ہے - مثلاً قائم جس کے تذکرے کا سنہ تالیف ۱۱۶۸ھ ہے یا خاکسار جس نے ۱۱۶۵ میں "معشوق چہل سالۂ خود" کے نام سے ایک تذکرہ لکھا - گارساں دتاسی نے غلطی سے یہ خیال کر لیا ہے کہ گردیزی کو بھی یہ دعویٰ ہے کہ اس کا تذکرہ سب سے پہلا ہے - حالانکہ اس نے کہیں ایسا

دعویٰ نہیں کیا اور اپنے دیباچے میں اُن تذکروں کی نا انصافی اور کم تحقیقی کی شکایت کی ہے جو اس سے قبل لکھے گئے ہیں، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس نے اپنا تذکرہ میر صاحب ہی کے جواب میں لکھا ہے - خاکسار کے تذکرے کے متعلق میر صاحب فرماتے ہیں کہ "علی الرغم ایں تذکرہ تذکرہ نوشتہ است بنام معشوق چہل سالۂ خود - احوال خود را اول از ہمہ نگاشتہ و خطاب خود سید الشعرا پیش خود قرار دادہ" اس کی حقیقت ان چند سطروں سے ظاہر ہے - تذکرۂ گردیزی کا سنہ تالیف ۱۱۶۶ھ ہے اور قائم کا ۱۱۶۸ھ —

میر صاحب نے اپنے تذکرے کے سنہ تالیف کے متعلق کہیں کوئی صراحت نہیں کی - البتہ آنند رام مخلص کے حال میں یہ فقرہ ان کی قلم سے ایسا نکل گیا ہے جس سے اس کی نسبت قیاس قائم ہو سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "قریب یک سال است کہ در گذشت" - یعنی جس وقت یہ تذکرہ زیر تالیف تھا اس وقت 'مخلص' کو مرے ایک سال ہوا تھا - مخلص کا سنہ وفات ۱۱۶۴ھ ہے (ملاحظہ ہو خزانۂ عامرہ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۴۲۵) - لہذا یہ قیاس

بالکل بجا ہے کہ اس کا سنہ تالیف ۱۱۶۵ھ ہے - اور چونکہ گردیزی نے اپنا تذکرہ میر صاحب ہی کے جواب میں لکھا ہے جس کے متعلق میں تذکرۂ ریختہ گویاں مولفۂ گردیزی کے مقدمے میں مفصل بحث کر چکا ہوں ' اس لیے اس سنہ کی صحت کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے - البتہ اسی سنہ میں دو تذکرے اور تالیف ہوے تھے ایک " تحفۃ الشعرا " مولفۂ افضل بیگ قاقشال اورنگ آبادی اور دوسرا " گلشن گفتار " مولفۂ خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی - لیکن ان کا علم میر صاحب کو مطلق نہیں تھا - بلکہ میر صاحب کے بعد بھی جس قدر مشہور تذکرہ نویس ہوے ہیں مثلاً قائم ' میر حسن ' مصحفی ' قاسم ' شوق وغیرہ وہ سب اُن سے لاعلم تھے —

چند تذکرے میر صاحب سے قبل بھی لکھے گئے تھے - مثلاً تذکرۂ سید امام الدین خاں بعہد محمد شاہ جس کا حوالہ میر حسن نے اپنے تذکرے میں دیا ہے * - تذکرہ خان آرزو ' مگر یہ تذکرہ فارسی شعرا کا ہے - تذکرۂ سودا ' اس کا حوالہ دو جگہ قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرے مجموعۂ نغز میں دیا ہے † لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

---

* دیکھو تذکرۂ میر حسن مطبوعۂ انجمن ترقیء اردو صفحہ ۱۷۳ -

† مجموعۂ نغز صفحات ۲۵ - ۲۹۸ جلد اول -

اُسے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے - غالباً وہ قائم کے تذکرے
کو سودا کا سمجھا ہے - بہر حال میر صاحب کے سامنے
ان میں سے کوئی تذکرہ نہ تھا اور نہ اب تک یہ
دستیاب ہوے ہیں ---

یہ تذکرہ اُس زمانے کے رواج کے مطابق فارسی میں
ہے - اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں عموماً اور اکثر
شعرا کے کلام پر منصفانہ اور بے باکانہ تنقید پائی جاتی
ہے - یہ بات دوسرے تذکروں میں نظر نہیں آے گی -
دوسرے ایجاز کے ساتھہ اُس کی عبارت میں شگفتگی
اور پختگی بھی ہے ---

بعض باتیں پہلے پہل اسی تذکرے سے معلوم ہوئی
ہیں - مثلاً جو ریختہ شیخ سعدی شیرازی سے منسوب
چلا آرہا تھا سب سے پہلے اس کی تردید میر صاحب ہی نےکی
اور یہ بتایا ہے کہ یہ شاعر سعدیء دکھنی تھا - یا میرزا
جان جاناں کا نام جو عام طور پر مشہور ہے وہ اصل میں میرزا
جان جاں ہے- اسی طرح ولی کو سب سے پہلے اورنگ آبادی
میر صاحب ہی نے لکھا ہے - اگرچہ یہ امر متنازع فیہ ہے
اور کوئی قطعی ثبوت اب تک بہم نہیں پہنچا کہ ولی

اورنگ آبادی تھا یا احمد آبادی —

میر صاحب نے ہر جگہ ریختہ کا لفظ استعمال کیا ہے البتہ دیباچے میں ایک جگہ ریختے کی تعریف کرتے ہوے اردو کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن وہ بھی نسبت کے ساتھہ —

"ریختہ کہ شعر یست بطور شعر فارسی بزبان اردوئے معلیٰ شاہجہاں آباد دھلی" - ذکر میر میں بھی ریختے کی یہی تعریف کی ہے، صرف آخری لفظ بدل دیے ہیں-

"ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اردوے معلیٰ باد شاہ ہندوستاں" -

تنہا اردو کا لفظ زبان کے معنوں میں کہیں استعمال نہیں کیا - ایک جگہ کمترین کے حال میں مراختہ کا لفظ بھی لکھا ہے - یہ لفظ اُس زمانے میں فارسی مشاعروں کے مقابلے میں رائج ہوگیا تھا —

"گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ ایں لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند، ملاقات می شود" (صفحہ ۱۱۰۷) -

یہ بات آج کل عجیب معلوم ہوگی کہ میر صاحب ہندوستان سے دلی مراد لیتے ہیں - چنانچہ میر عزت

کے ذکر میں لکھتے ھیں —

" تازہ وارد ھندوستان کہ عبارت از
شاھجہاں آباد است "

اُس وقت در حقیقت دلی سارے ھندوستان کا دل تھی - یہاں کی ھر بات دوسروں کے لئے سند تھی خصوصاً زبان کے معاملے میں یہ فضیلت کبھی کسی شہر کو حاصل نہ ھوئی ھوگی —

ایک معاملہ البتہ سمجھہ میں نہیں آیا - میرصاحب نے اس تذکرے میں اپنے ماموں سراج الدین علی خاں آرزو کا بڑے ادب اور احترام سے ذکر کیا ھے اور مرزا معز فطرت کے حال میں " اوستاد و پیر و مرشد بندہ " کے الفاظ سے یاد فرمایا ھے - لیکن ذکر میر میں انھوں نے خان آرزو کی بد سلوکی' بے مروتی اور دل آزاری کی ایک ایسی درد انگیز داستان لکھی ھے کہ جسے پڑہ کر نہایت افسوس اور رنج ھوتا ھے - ان دو متضاد بیانات کو پڑہ کر آدمی گومگو میں پڑ جاتا ھے - میرا خیال یہ ھے کہ تذکرہ عام تالیف تھی جو ھر کس و ناکس کے ھاتھہ میں جانے والا تھا اور ذکر میر آپ بیتی ھے جس میں

مصنف نے اپنے حالات بے کم و کاست بیان کر دیے ہیں-گویا یہ ایک قسم کا روز نامچہ ہے- تذکرے کو انھوں نے تذکرے ہی کی حیثیت تک رکھا ہے اور اُس میں اپنے ذاتی حالات اور خانگی قضیوں کا نام تک نہیں آنے دیا - اس سے میرصاحب کی سلامت طبع اور سلامت ذوق کا پتا لگتا ہے-

میر صاحب کی شہرت اُن کے شعر و سخن بلکہ غزل کی وجہ سے ہے ' لیکن ان کی نثر کی یہ دو کتابیں یعنی نکات الشعرا اور ذکر میر بھی اپنی نظیر نہیں رکھتیں- اس سے ان کی پاکیزہ فارسی نثر نگاری ہی کا اندازہ نہیں ہوتا بلکہ ان دو کتابوں کا اردو ادب سے بھی گہرا تعلق ہے - اور ان کی بدولت ایسی معلومات تک دسترس ہوتی ہے جو کہیں اور نہیں ملتیں اور بعض ایسی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے جو ایک مدت سے چلی آرہی تھیں- نکات الشعرا شروع سے آخر تک دلی میں لکھا گیا ہے- اور سواے دکن کے چند شعرا اور بعض قدیم ریختہ گوشعرا کے باقی سب کے سب دلی کے شاعر ہیں اور ان میں بھی اکثر ایسے جن سے میر صاحب بذات خود واقف تھے - یہ میر صاحب کی ابتدائی تصنیف اور عالم جوانی کی مشق ہے- اس وقت

ان کی عمر تقریباً ۲۹ برس کی ہوگی - لیکن عبارت کی متانت اور شگفتگی، تنقیدی نظر اور نکتہ رسی سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا ذوق ادب اور ذوق سخن ابتدا سے بہت صحیح اور سلیم تھا —

ہم نے یہ تذکرہ ایک مستند قلمی نسخے سے طبع کیا ہے- جیسا کہ کتاب کے ترقیمے سے معلوم ہوگا یہ سید عبدالولی عزلت کے لیے لکھا گیا تھا - میر صاحب عزلت کے علم و فضل اور بزرگی اور اُن کے کلام کی خوبی کے قائل ہیں اور عزلت بھی میر صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے تھے - میر صاحب نے اپنے تذکرے میں سید صاحب کی بیاض سے استفادہ بھی کیا ہے - تذکرے کی کتابت سنہ ۱۱۷۲ ھ کی ہے یعنی تصنیف سے سات سال بعد لکھا گیا ہے - خط بھی صاف اور شیریں ہے —

عبدالحق

معتمد انجمن ترقی اردو

اورنگ آباد دکن

۶ جون ۱۹۳۵ ع
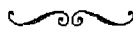
بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد سخن آفریں کہ اوست سزاوار تحسین و درود نامحدود برآن شفیع المذنبین و علی آلہ اجمعین کہ مقصود بود از آسمان و زمین - پوشیدہ نماند کہ در فن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اُردوے معلی شاہ جہان آباد دھلی، کتابے تا حال تصنیف نشدہ کہ احوال شاعران ایں فن بصفحۂ روزگار بماند - بناءً علیہ ایں تذکرہ کہ مسمی بہ نکات الشعرا است نگاشتہ می شود -

اگرچہ ریختہ در دکن است، چوں از آنجا یک شاعر مربوط برنخواستہ لہذا شروع بنام آنہا نکردہ و طبع ناقص مصروف ایں ہم نیست کہ احوال اکثر آنہا ملال اندوز گردد، مگر بعضے از آنہا نوشتہ خواہد شد، انشاء اللہ تعالیٰ امید کہ بدست ہر صاحب سخنے بیاید بنظر شفقت بکشاید -

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

مجمع کمالات و صاحب حالات، فضائل او اظہر من الشمس است - احوال امیر مذکور در تذکرہ ھا مسطور، نوشتن این احقرالعباد فضولیست - اشعار ریختہ آں بزرگ بسیار دارد، دریں خود تردد ے نیست - ازانجملہ یک قطعہ تیمناً نوشتہ آید -

زر گر پسرے چو ماہ پارا کچھہ گھڑئے سنوارئے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست پھرکچھہ نہ گھڑا نہ کچھہ سنوارا
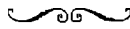
مرزا عبدالقادر 'بیدل'

شاعر پر زور فارسی، صاحب دیوان پنجاہ ہزار بیت و مثنویات وغیرہ - اوائل جوانی نوکر شاھزادۂ محمد اعظم شاہ بود - بعد از چندے ترک روزگارگرفتہ فقر وکش کرد - از مذاق شعر او دریافتہ می شود کہ بہرۂ کلی از عرفان داشت - احوالش مفصلاً در تذکرہ ھا مرقوم است - دو شعر ریختہ بنام او شنیدہ می شود، شاید بتقریبے گفتہ باشد - از وست -

مت پوچھہ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اُس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا 'بیدل' کہاں ہے ہم میں

سراج الدین علی خان 'آرزو'

آب و رنگِ باغِ نکتہ دانی، چمن آرائے گلزارِ معانی، متصرفِ ملکِ زورِ طلبِ بلاغت، پہلوانِ شاعرِ عرصۂ فصاحت، چراغِ دودمانِ صفائے گفتگو کہ چراغش روشن باد، سراج الدین علی خاں آرزو سلمہ اللہ تعالیٰ ابداً - شاعرِ زبردست قادرِ سخن عالم فاضل تاحال ہمچو ایشاں بہندوستان جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایران می رود - شہرۂ آفاق، در سخن فہمی طاق، صاحب تصلیفات دہ پانزدہ کتب و رسالہ و دیوان و مثنویات - حاصل کمالات او شان از حیزۂ بیان بیرون است - ہمہ اوستادان مضبوط فن ریختہ ہم شاگردان آں بزرگوارند - گاہے برائے تفنن طبع دو سہ شعر ریختہ فرمودہ ایں فن بے اعتبار را کہ ما اختیار کردہ ایم اعتبار دادہ اند تبرکاً نوشتہ آمد -

جان تجھہ پر کچھہ اعتماد نہیں
زندگانی کا کیا بھروسا هے

مے خانہ بیچ جاکر شیشے تمام توڑے
زاهد نیں آج اپنے دل کے پھپولے پھوڑے

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول هیں تیرے شہیدوں کے

وعدے تھے سب خلاف جو تجھہ لب سے هم سنے
یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

هر صبح آوتا هے تیری برابری کو
کیا دن لگے هیں دیکھو خورشید خاوری کو
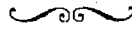
مرزا معز ' فطرت ' موسوی خان

کہ ' موسوی خاں ' خطاب اسمت - معز و فطرت و موسوی هر سہ تخلص میکند - احوال او من و عن در تذکرۂ سراج الدین علی خاں صاحب کہ اوستاد و پیر و مرشد بندہ است مسطور - همچو مسموع است کہ ایں شعر ریختہ شاعر مرقوم گفتہ والله اعلم -

از زلف سیاہِ تو بدل دھوم پڑی هے
در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی هے
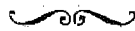
مرزا جانِ جاں

مظہر تخلص - مرد یست مقدس، مطہر، درویش، عالم، صاحب کمال، شہرۂ عالم، بے نظیر، معزز، مکرم - اصلش از اکبر آباد است - پدر او مرزا جان نام داشت - از فرط شفقت مرزا جانِ جاں میگفت - ازیں سبب بہمیں اسم موسوم است - بندہ بخدمت او رفتہ سعادت اندوز گشتہ است - اکثر اوقات در یاد الہی صرف میکند - خوش تقریر بمرتبۂ است کہ در تحریر نمی گنجد - دیوان مختصر شعر فارسیء او بنظر فقیر مؤلف آمدہ است - از سلیم و کلیم پائے کمی ندارد - اگرچہ شعر گفتن دوں مرتبہ است لیکن گاھے متوجۂ ایں فن بے حاصل نیز میشود - انعام اللہ یقیں و حزیں کہ شاعر ریختہ اند شاگردان اُویند - غرض مرزا عجب کسے است -

خدا کے واسطے اسکوں نہ ٹوکو
یہی ایک شہر میں قاتل رہا ھے

جواں مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھہ تھا خوب کام آیا

مرتا ہوں میرزائیی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چونری و پلکھا صبا کے ہاتھ

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منہ لگایا ہے سجن نیں بیڑۂ پان کوں

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہاے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

گر گل کو گل کہوں تو ترے روکوں کیا کہوں
بولوں نگہہ کو تیغ تو ابرو کوں کیا کہوں
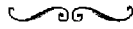
شاہ ولی اللہ اشتیاق

مردے بود ذی علم، از اولاد شیخ الف ثانیست نبیسۂ شاہ محمد گل، مولد او سرہند است - در کوتلہ فیروز شاہ سکونت داشت - درویش متوکل، گاہے فکر ریختہ میکرد - از وست —

لڑکوں کے پتھروں کی لگے کیونکہ اس کو چوٹ
ہر ایک گردباد ہے مجلوں کو دھول کوٹ

چھوڑ کر تجکو ہمیں اور سے جو لاگ لگی
نہیں مہلدی یہ تیرے تلووں سیتی آگ لگی

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں
کچھہ ان کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

قزلباش خاں 'اُمید'

مردے مغلے بود، شاعرِ غرائے فارسی، نکتہ پرداز، بذلہ سلیج، کوچک‌دل، عزیز دلہا، یار باش، خوش اختلاط، ہمیشہ خنداں و شگفتہ رو بسر برد - داخل ذیل امراء بود و درہر سیر و تماشا میر فت و صحبتہا میداشت، چنانچہ یکروز در عرس سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہ العزیز بندہ نیز بہ تحریک یارانِ موافق رفتہ بود، واوہم تشریف میداشت، چوں مرا ازدور دید، گفت کہ خوش باشد کہ من ہم دریں ایام دو شعر ریختہ موزوں کردہ ام، بشنوید، ازوست —

در و دیوار سے اب صحبت ہے
یار بن گھر میں عجب صحبت ہے

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں
الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

مرزا گرامی

پسر علی بیگ کشمیری است کہ قبول تخلص میکرد۔ نقلِ احوالِ او در تذکرۂ خان صاحب مرقوم است۔ چون دیدکہ ہنگامۂ ریختہ گرم شدہ خودش نیز شعر ریختہ گفت بطورے کہ داشت و آن اینست —

حاضری بن محل نہیں کھاتا بیگمی ہے پلیر ملغم کا
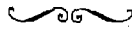
رائے انند رام

'مخلص' تخلص مشہور، از شاہ جہان آباد ست' وکیل نواب وزیر اعتماد الدولہ مغفور و مرحوم۔ شاعرے مقررے فارسی۔ در علفوان جوانی مشق سخن بخدمت مرزا بیدل میکرد۔ درین ایام اشعار خود را از نظر خان صاحب سراج الدین علی خان میگذرانید۔ از مدت

آزار تفت الله م داشت، قریب یکسال است که در گذشت - احوالش در تذکرۂ خان صاحب مذکور مفصل مسطور است —

دھوم آونے کی کس کی گلزار میں پڑی ھے
ھاتھہ ار گجے کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ھے
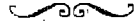
میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک

متخلص 'آبرو' متوطن گوالیار، نبیسۂ حضرت محمد غوث گوالیاری است نور اللہ قبرہ - از ابتداے جوانی در شاہ جہان آباد آمدہ، چنانچہ مشق سخن ہم اینجا کردہ - شاگردِ خان صاحب سراج الدین علی خاں است - از چشم پوشیِ روزگارِ دجال شعار یک چشمش از کار رفتہ بود - شاعر نادرہ گوے ریختہ، میگویند کہ طبعے شوخے داشت - غرض مستغلی وقت خود بود، کہ عہد محمد شاہ باشد، خداش مغفرت بکند - از وست —

آیا ھے صبح نیند سے اُٹھہ رسمسا ھوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ھوا

جدائی کے زمانہ کی میاں کیا زیادتی کہیے
کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا

بوسہ لبوں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا
پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاوں گا اس گلی
ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے
یہ روٹھہ روٹھہ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹکنا

فرہاد کا دل کوہ کو مے کا بھرا پیالا ہوا
مستی سے جس کے شوق کی ہر سنگ متوالا ہوا

دل کے اوپر بہار میں احوال سخت دیکھہ
دے مارتی ہے باغ میں سر کو کلی اٹھا

یہ سبزہ اور یہ آب رواں اور ابر یہ گہرا
دوانا نئیں میں کہ گھر میں رہوں اب چھوڑ کے صحرا

گریہ ہے مسکرانا تو کس طرح جییں گے
تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

یارو تڑو کمر سے مروڑو نہ بھر کے انگ
آجا کہیں لچک تو ابھی لاگ جائیے للگ

دور خاموش بیٹھہ رہتا ہوں
اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہوا ہوں میں
یہاں لگ ہلدر میں عشق کے کامل ہوا ہوں میں

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
چاک اگر ہو گیا بگولا ہے

آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں قتل آنکھیں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خون ہوا ہے

کرتے تو ہو تغافل پر حال آبرو کا
دیکھو تو تم بھی پیارے بے اختیار رو دو

نہیں یہ تارے بھرے ہیں شک کے نقط
اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

اگر بجائے 'اس قدر' 'کس قدر' می گفت این شعر بآسماں می رسید –

مجھ ناتواں کی حالت وہاں جا کہے ہے اوڑ کر
میرا یہ رنگ رو ہے گویا مُکھی کبوتر

عالمِ آب سیں آساں نہیں اے شیخ گزر
خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں سوار

خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں
مدتیں گذریں مصور کھینچتا ہے انتظار

کریں جو بندگی ہو ویں گنہگار
بتوں کی کچھ نرالی ہے خدائی

'آبرو' کے قتل پر حاضر ہوا کس کر کمر
خون کرنے کوں چلے عاشق پہ تہمت باندھ کر

زندگی ہے سراب کی سی طرح
پاؤ بلدی حباب کی سی طرح

تجھ اوپر خون بے گناہوں کا
چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح

کون چاہے گا گھر بسے تجھ کو
مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

کیوں چھپا ظلمت میں گر تجھ لب سے شرمندہ نہ تھا
جان کچھ پانی مرے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

مجلس رنداں میں مت لے جا دل بے شوق کو
شیشۂ خالی کو کیا عزت ہے میخواراں کے بیچ

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوے گی
اس دل بے قرار کی صورت

نہ تھا کچھ اور میرے شوق کا حسن و صفا باعث
یہی پیاری طرح موجب یہی کا فر ادا باعث

تم از گل رخاں سے اب آنکھ جو لگائے
با دام کو پیارے پھولوں کے بیچ باسا

دل تو دیکھو آدم بیباک کا
عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

سجن اوروں کا تشلہ ہو کے سلتا اور سب کہتا
مگر ایک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

انساں ہے تو کبر سے کہتا ہے کیوں آنا
آدم کو تو سلا ہے کہ ہے خاک سے بنا

رہتے ہیں جیو میں مصرع دل چسپ کی طرح
گھر بار ہو ہے سر و قدوں کا برائے بیت

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بے حاصل ہے یہ
لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے یہ

زلف کی شان مکھ اوپر دیکھو
کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے

کیا ہوا مر گیا اگر فرہاد
روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

یوں آبرو بنا وے دل میں ہزار باتیں
جب رو برو ہو تیرے گفتار بھول جاوے

اب دین ہوا زمانہ سازی
آفاق تمام دھریا ہے

جینا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندہ گانی ہیچ ہے

زندگانی تو ھر طرح کاتی　مر کے پھر جیونا قیامت ھے

اُتھ چیت کیوں جلدوں ستی خاطر نچلت کی
آئی بہار تجکوں خبر ھے بسنت کی

جہاں تجھہ خو کی گرمی تھی نہ تھی کچھہ آگ کو عزت
مقابل اس کے ھو جاتی تو آتش لکڑیاں کھاتی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نہیں اب تلک مجکو
طرح وہ پانوں رکھنے کی میری آنکھوں میں پھرتی ھے

اس کی کلنجی زبان شیریں ھے
دل مرا قفل ھے بتاسے کا

حسن ھے پر خوبرویاں میں وفا کی خو نہیں
پھول ھیں یہ سب پر ان پھولوں میں ھرگز بو نہیں

قیامت کیا تم تک ایک ھنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا
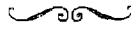
میاں شرف الدین

مضمون تخلص، مردے بود نوکر پیشہ؛ متوطن جاجمو که قصبه است متصل اکبرآباد - حریف ظریف، ھشاش بشاش، ھنگامه گرم کن مجلسہا، ھر چند کم گو بود لیکن بسیار خوش فکر و تلاش لفظ تازہ زیادہ - دیوانش

بہمہ جہت دو صد بیت خواھد بود۔ از شروع جوانی بہ شاہ جہان آباد آمدہ، و در زینت المساجد سکونت داشت، آخرالامر ہمیں جا فوت کرد - از احفاد حضرت شیخ فرید شکر گنج بود نوراللہ مرقدہ، چنانچہ خود میگوید —

کریں کیوں نہ شکر لبوں کو مرید
کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

شاگرد خان صاحب سراج الدین علی خان است - چوں دندان او بسبب نزلہ ہمہ افتادہ بودند خان صاحب مذبور او را شاعر بیدانہ می گفتند - فقیر زمان آخر او را دریافتہ بودم، بسیار گرم اختلاط، اگرچہ بروقت پیری غلبہ داشت - اغلب کہ خدا مآلش بخیر مبدل کردہ باشد۔ دریں ولا ایں جایک دیوان روزدہ نوشتہ می‌شود * از وست -

جو دو پیالہ سحر کو بھر کے اور دو شام کو لے گا
وہ تخت اپنے میں جوں خورشید چاروں جام کو لے گا

---

* یہ فقرہ اصل نسخے میں اسی طرح درج ہے؛ غالباً روزدہ کی بجائے یہاں ھفدہ کا لفظ ہوگا جو انتخابی اشعار کی تعداد کو بتاتا ہے؛ میر صاحب نے غالباً یہی لکھا ہے لیکن کتابت کی غلطی سے اصل عبارت مسخ ہوگئی ہے - مجموعۂ نغز میں بھی 'مضمون' کے حال میں اسی مطلب کا فقرہ بلا تغیر الفاظ موجود ہے -

ہم نے کیا کیا نہ تیرے غم میں اے محبوب کیا
صبرِ ایوب کیا گریہ یعقوب کیا

ایک تو تھا ھی وہ مہرو خود پسند
ھو گیا دیکھہ آرسی کے تیں دو چند

ھنسی تیری پیارے پھلجھڑی ھے
بھی غنچہ کے دل میں گلجھڑی ھے

میکدہ میں گر سراسر فعل نا معقول ھے
مدرسہ دیکھا تو وھاں بھی فاعل و مفعول ھے *

ناحق ستم کسی پر وہ شوخ کد کرے ھے
دیتا ھے ٹانگ اس کو جو فعلِ بد کرے ھے

جھوٹے سہیلوں سے یوں ھوا معلوم
تیری آنکھوں کے دو پلکے ھیں

میرا پیغام وصل اے قاصد
کہیو سب سے اُسے جدا کر کر

اتفاقاً من اشعار ایشان را انتخاب میزدم ، میاں محمد حسین کلیم کہ احوال اوشاں نیز خواھد آمد انشاالله تعالیٰ اوشان نیز نشستہ بودند - من ایں شعر را پیش مشارٌ الیہ خواندم و شعر ایں قسم بود —

---

* قایم نے یہ شعر یکرنگ سے منسوب کیا ھے - بقیہ تمام تذکرہ نگاروں نے میر صاحب کی تقلید کی ھے —

میرے پیغام کو تو اے قاصد کہیو سب سے اسے جدا کر کر

چوں ایں حرف موافق سلیقۂ شعرا بود لہذا ہمچناں نوشتہ آمد —

کرے ہے دار بھی کامل کو سر تاج
ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

کیا سمجھہ بلبل نے باندھا ہے چمن میں آشیاں
ایک تو گل بیوفا اور تسپہ جور باغباں

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ
کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھہ

مہ رو نے بوجھہ پکڑا مشکل ہوا ہے جینا
یارو خدا کرے خیر بھاری ہے یہ مہینا

خط آگیا ہے اس کے میری ہوی سفید ریش
کرتا ہے اب تلک بھی وہ ملنے میں شام صبح

نہیں ہیں ہونٹھہ تیرے پان سے سرخ
ہوا ہے خون میرا آکے لبریز

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے

مرا یہ اشک قاصد کی طرح یکدم نہیں تھمتا
کسی بیتاب کا گویا لیے مکتوب جاتا ہے

مضمون توں شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب
غصہ سے بہوت ہوگیا لیکن جلا تو ہے

شاعر مسطور بجاے 'اسم' 'نام' موزوں کردہ بود، اسم اصلاح خان صاحب است، وہ چہ اصلاح - زیرا کہ اہل دعوت اسم میخوانند نہ نام، فافہم —

مصطفیٰ خان یکرنگ

'یکرنگ' شاعر ریختہ، معاصر میاں آبرو - میگویند کہ بسیار چسپاں اختلاط و آشناے درست بود - بندہ از احوال اُو خوب اطلاع ندارم - از وست —

اب شہریں سے بے زبانوں کو بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو یہی گویا سلام ہے تیرا

ترک عاشق نیں ننگ و نام کیا کام اپنا جو تھا تمام کیا

اس قدر کیا ہے حمایت غیر کی
ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

جب سیتی گل رخوں سے یار ہوا
خلق کی بیچ نظر میں خوار ہوا

خلق 'یکرنگ' کی ہوئی دشمن
جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

در مرثیہ امام حسین صلواۃ اللہ علیہ گفتہ -

زخمی برنگ گل ہیں شہیدانِ کربلا
گلزار کے نمط ہے بیابانِ کربلا

کھانے چلا ہے زخمِ ستم ظالموں کے ہاتھ
دھو ہاتھ زندگی ستی مہمانِ کربلا

اندھیر ہے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ
ہے سر بریدہ شمع شبستانِ کربلا

سنتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے سجن
تجکو ترا غرور نجانوں کرے گا کیا

خون دل کا مجھے شراب ہوا جگرِ سوختہ کباب ہوا

اِتا ہے مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کھاتا ہے بیاں کرنے سیتی لغزش سخن میرا

نہ کر گوہر ستی ہرگز برابر اگر معلوم ہے رتبہ سخن کا

مجھے مت بوجھہ پیارے اپنا دشمن
کوئی دشمن بھی ہو ہے اپنی جاں کا

اگر آوے مرے گھر وہ پیارا
کروں اس ماہ کو پتلی کا تارا

میرا دشمن ہوا یکرنگ وہ شوخ
کیا کیوں عشق میں نیں آشکارا

کم نہیں کچھہ بوے گل سیتی فغانِ عندلیب
برگ گل سے ہے گی نازک تر زبانِ عندلیب

زبانِ شکوہ ہے مہندی کا ہر پات
کہ خوبوں نیں لگا ے ہیں مجھے ہات

مسخر حسن کے شاہ و گدا ہیں
رکھے ہیں خوبرو ظاہر کرامات

خیال چشم و ابرو کر کے تیرا
کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

یاد آتی ہے تازگئی بہار
دیکھہ ہر خشک خار کی صورت

سچ کہے جو کوئی سو مارا جاے
راستی ہیگی دار کی صورت

باعتقاد فقیر بجاے "سچ" حرف "حق" اولی است -

پھر گیا ہاے ہم سے وہ مہرو
سرد مہری ستی ہوا کی طرح

ہوا نہ راحت جاں مہرباں حیف
مری محنت گئی سب رائگاں حیف

بنا بر مصلحت ہے یہ جو تم سے
رہا ہے روتھہ دن دو چار یکرنگ

محبت کا عجب یکرنگ ہے رنگ
کبھی عاشق کبھی معشوق ہیں ہم

برنگ شمع دایم تجھہ لگن میں
سجن روتے پھرے ہم انجمن میں

تا گلے تیرے لگوں اے یار میں
روتھتا ہوں اس سبب ہر بار میں

کیوں کھیلچتے ہو تیغ سجن ہم میں دم نہیں
پنہاں نگہ تمہاری یہ گپتی سے کم نہیں

کہتے ہیں ہم پکار سنو کان دھر سجن
گر غیر سے ملوگے تو دیکھوگے ہم نہیں

تجھہ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
یکرنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

دل مرا لے کے جو دبدھا میں پڑے ہو اس بھانت
کیا سجن اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں

پارسائی اور جوانی کیوں کے ہو
ایک جاگہہ آگ پانی کیوں کے ہو

اُس پری پیکر کو مت انسان بوجھہ
شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھہ

برگ حنا اوپر لکھو احوال دل میرا
شاید کبھی تو جا لگے اُس دلربا کے ہاتھہ

جو کوئی توڑتا ہے غنچۂ گل
دل کو میرے شکستہ کرتا ہے

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے
میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لیلی ہے تو لے صیاد
ہاتھ سے پھر شکار جاتا ہے

لگے ہے جا کے کانوں میں بتوں کے
سخن یکرنگ کا گویا گہر ہے

کیا جانیے وصال تیرا ہو کسے نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہے

اب تو تمھیں نبا ہے ہی ہم سے سجن پڑے
ہم سب طرف سے ہار تمہارے گلے پڑے

یکرنگ پاس کیا ہے سجن اور کچھ بساط
رکھتا ہے دو نین جو کہو تو نظر کرے

جس کے درد دل میں کچھ تاثیر ہے
گر جواں بھی ہو تو میرا پیر ہے

چشم پیارے کی دیکھ مژگاں میں
گویا سبزے کے بیچ آہو ہے

اُس کو مت بوجھو سجن اوروں کی طرح
مصطفی خاں آشنا یکرنگ ہے

اگر شعرِ من می بود پیش مصرع این قسم موزوں می دادم :-

مت تلون اُس میں سمجھے آپ سا

محمد شاکر ناجی

جوانے برد آبلہ رو، سپاہی پیشہ، مزاجش بیشتر مائل بہزل بود - معاصر میاں آبرو - بندہ با او یک ملاقات کردہ ام - شعر ہزل خود می داند و مردمان را بخندہ می آورد و خود نمی خندید، مگر گاہے تبسمے می کرد - وطنش شاہ جہان آباد - جوان از جہان رفت - اشعار جستہ جستۂ او انتخاب کردہ نوشتہ می شود -

روا کب ہے مجھہ اوپر تیغ کو ہر دم علم کرنا
میری تقصیر بھی کچھہ کی ہے ثابت یا ستم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
کٹی یہ بھی گھڑی تجھہ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نمکین حسن دیکھہ کر پی کا رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا

دیکھہ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھہ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

بر متامل پوشیدہ نیست کہ پیش مصرع این

چلپی میںبایست ، مصرع : –

مت رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی
گو سلیماں کا تخت دیں مت لے
کہ سب آخر کو جاے گا برباد

تری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو
ہمارے سینہ میں تودا ہوا ہے تیروں کا

پیالہ پیوے ہے سو نہوروں سے
کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

کرلے کرم اے مہرباں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نہیں دیکھہ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

تکلیف کھینچے حد سے زیادہ رکھے جو فیض
گو نام کو ہما ہے پہ کھاوے کیا اپنے ہاڑ

ملنے کو نو خطاں کے واعظ برا کہے ہے
مجہول ہیں یہ باتیں ہم خوب جانتے ہیں

عید ہوتی تھی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتاویں طے کا روزہ دیکھہ کر مہمان کو

آج تو ناجی سجن سے کر تو اپنا عرض حال
مرنے جینے کا نہ کر وسواس ہونی ہو سو ہو

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لے جاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے قیامت کا جو دن سلتے تھے کل ہے

ھوا جب آئنہ میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھنا کیا ھے

سوجی ھے اپنے دل کا مچھی نہ دے کہنے سے
اور اب مخالفوں نیں وہ بات ھی ڈبوئی

نہ جانا یہ کہ اُس پر کئی موے ھیں
عبث کرنے گیا میں گور پر گور

نرگس کے تئیں میں ھرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھیں ھیں میں نے آخر پیارے تمھاری آنکھیں

دیکھہ دلبر تیری کمر کی طرف
پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

حشر میں پاک باز ھیں ناجی
بد عمل جائیں گے سقر کی طرف

مجکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا
لے چلا جب دل کے تئیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف
حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہہ گیا

اغنیا کے در بدر مقدور جب تک ھو نہ جا
سخت حاجت ھو تو جا لاچارگی ھے جا ضرور

چاھئے اشراف کو مفلس ھو مجلس میں نہ جا
گرکہ وہ دبلا نہ ھو پر بوجھتے ھیں سب حقیر

جہاں دل بلند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کرنے
رقیب لا ولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے
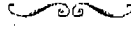
اشرف الدین علی خان "پیام"

شاعرِ قرار دادِ شاعرانِ فارسیء عہد خود بود و صاحبِ دیوانِ ریختہ نیز - از خاک پاک اکبرآباد است - بندہ اکثر ملاقات کردم ' چنانچہ با میاں نجم الدین علی سلام کہ خلف الصدق اوست فقیر را اخلاص دلیست - ہمیشہ اتفاق باہم نشستن و فکر شعر کردن و گپ زدن می اُفتند - احوال او ہم نوشتہ خواہد شد انشاء اللہ تعالیٰ - از وست : -

بات منصور کی فضولی ہے ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

دلی کے کجکلاہ لڑکوں نیں
کام عشاق کا تمام کیا

کوئی عاشق نظر نہیں آتا
ٹوپی والوں نیں قتل عام کیا

میاں احسن الله

مردے بود معاصر میاں آبرو، طبعش بسیار مائل به ایہام بود، ازیں جہت شعر او بے رتبہ ماند - دیگر احوالش معلوم من نیست - از وست -

یہی مضمونِ خط ہے احسن الله
کہ حسنِ خوبرویاں عارضی ہے
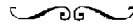
میاں سعادت علی

از سادات امروهه بود - مردے سلیم الطبع، کم سخن، متواضع - سعادت تخلص می کرد - فی الجملہ چاشنیء درویشی داشت - شعر اُو خالی از لطف نیست - با بندہ ربط بسیار داشت - از وست -

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو وہ تیل میں ڈالے ہے ہات

ہوش کھودیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست
بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہوجاتا ہوں مست

کیا صید آہوے دل آسواری سے میاں تم نے
کمر کی ڈاب نہیں کھولی گویا چیتے کی ڈوری تھی

واللہ جو سر لوح تیرا نام نہ ہوتا
ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں
یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

اہل زر کے سیم تن ہوتے ہیں رام
صید ہو ہیں جس جگہ دیکھیں ہیں دام

پپیہے کی طرح دارو کے شیشے
زبان حال سے کہتے ہیں پی پی

بینوا تخلص
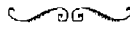
احوال او بہ تحقیق نمے پیوندد - در وقت محمد شاہ بادشاہ سنکرن نام جوہری جوتےفروشے را کشت-باعث او بلوا شد، چنانچہ جوتے فروشاں در جامع مسجد مانع خطبہ گشتند - ظفر خان روشن الدولہ کہ بطرہ باز شہرت دارد، جوہری مذکور را پناہ داد - آخر هنگامہ برپا شد، و جنگ عظیم در میانِ امرایانِ عظام افتاد - بسیار از طرفین بقتل رسیدند - ظفر خاں تاب نیاورد و گریخت- ازیں سانحہ ایں قسم خفت کشید کہ ازاں باز از خانہ

بدر نیامد - آں قصہ را شاعرِ مسطور در مخمس بست کہ
هنوز بر السنہ مذکور است' از وست -

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزہ نابکار
مریخ پھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار

جوتے فروش مرد مسلمان دیندار
مردود جوهری نیں لیا ہے ستم سے مار
سنگ جفا سے چور کیا لعل آبدار

کتنوں کو مار جی سے قضا نے گرا دیا
کتنوں کو جی بچا کے بہت ہر برا دیا

کاغذ پہ بینوا نے یہ سن کر چڑھا دیا
لگتے ہی مار جوتیوں طرہ گرا دیا
تا حشر ہر زبان پہ رهیگا یہ یادگار

عطا
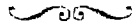
نام او باشے گذشتہ است در عہد عالمگیر بادشاہ - از وست -

اے در نبردِ حسن تو کشتہ بچار چشم
زیرِ مژہ نہفتہ چو آهو بچار چشم

میر جعفر

به جعفر زٹلی مشہور است، نادرۂ زمان و اعجوبۂ دورانِ خود بود- زبانِ گزندہ داشت، وضیع و شریف همه ازو ملاحظه می کردند، و چیزے می دادند - چوں بخانه کسے می آمد، دو کاغذ همراه گرفته می آمد، بر یک پارچه هجو صاحب خانه و بر دیگر مدح اورا- اگر مدارا ازو میدید، مدح می خواند، وگر نه پرچۂ کاغذ هجو را بال شهرت می داد- هجو محمد اعظم شاه پسر عالمگیر بادشاه، که در رقعات عالمگیری به عالیجاه امتیاز دارد کرده :-

چهارم پسر تو وملی کا جنا برج میں رے جوں ... ...

القصه شعر هزل بسیار دارد- چوں پیش اعظم شاه باریاب شد، ایں شعر در مدح او بداهتاً گفت -

نگینِ سلیماں که تا بنده بود
همیں اسم اعظم برآں کنده بود

صلۂ لایق بجایزۂ ایں مطلع یافت- نقل است که روزے بخانۂ مرزا بیدل آمد و برروے مرزا ایں مصرع خواند :- ع

چه عرفی چه فیضی به پیش تو پیش
مرزا ازاین معنی بسیار تر آمد و زود رخصت کرد

مرزا رفیع

المتخلص بسودا که جوانیست خوش خلق خوش خوے گرمجوش یار باش شگفته روئے - مولدِ اُو شاه جهاں آباد است - نوکر پیشه غزل و قصیده و مثنوی وقطعه و مخمس و رباعی همه را خوب می گوید - سر آمد شعراے هندی اوست بسیار خوش گو است - بلا گرداں هر شعرش طرف لطف رسته رسته در چمن بلندی الفاظش گل معنی دسته دسته هر مصرع برجسته اش را سرو آزاد بنده پیش فکرِ عالیش طبع عالی شرمنده - شاعر ریخته چنانچه ملک الشعرائی ریخته اورا شاید - قصیده در هجو است گفته به تضحیکِ روزگار دور از حدِ مقدور در اُو صنعتها بکار برده - مطلعش اینست :-

هے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار

اکثر اتفاق طرح غزل با هم می افتد- غرض از مغتنمات روزگار است، حق تعالیٰ سلامتش دارد- از وست:

بیکس کوئی مرے تو جلے اُس پہ دل مرا
گویا ہے یہ چراغ غریبوں کی گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا
پانی بھی پھر پیوں تو مزا ہے شراب کا

موج نسیم گرد سے آلودہ ہے نپٹ
دل خاک ہوگیا ہے کسی بے قرار کا

آہ کس طرح تیری راہ میں گھیروں کہ کوئی
سدہ رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا

زباں ہے شکر میں قاصر شکستہ بالی کے
کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس مونھ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نہ کھینچے اے شانے ان زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا

پڑے رہ برق خارِ آشیاں میرے سے کہتا ہوں
اُڑے گا دھجیاں ہوکر ترا دامن جو یہاں اٹکا

سودا ہوئے جب عاشق کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موج آتش ہے سیل آنکھوں کا
دل کا شاید کہ آبلہ پھوٹا

نہ جیا تیری چشم کا مارا نہ تیری زلف کا بندھا چھوٹا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

جو گزری ہم پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ترا جیو مجھ سے نہیں ملتا مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

ترے آگو سحر آنکھوں سے آنسو کیوں کہ چلتے ہیں
جو تو دریا پہ گزرے ہے تو پانی بہ نہیں سکتا

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
تو بھی ٹک اُس کو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

یا جا کے اس گلی کو جہاں تھا ترا گزر
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اس میں بھی پائے تو پھر شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھہ سکیں تجکو غیر پاس
پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

کسی دیں دار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہو چکی سودا کے جیو پر شام کیا ہوگا

سودا سے یہ کہا میں دل اس طرح سے کھونا
کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہونا

گل میرے مشہد پہ کب بھیجے ہے وہ ابرو کماں
طرح غنچہ کے کھلے جب تک نہ پیکاں تیر کا

سودا سے میں یہ پوچھا دل میں بھی دوں کسی کو
وہ کر کے بیان اپنی روداد بہت رویا

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہوگئے کونسے گلشن خراب

ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست
میں پوجتا ہوں اس کو جو ہو آشنا پرست

کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور
رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا تبسم یا نگہہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھہ بھی اے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح

منعم نہ مر بنائے عمارت کی فکر میں
ہے سب حویلیاں تھیں جہاں تک ہے اب اُجاڑ

کتنا شگفتہ رو ہے کہ مانند آرسی
چھاتی کے جس کے روبرو کھل جائیں ہیں کواڑ

گذری جس غم سے مجھے زندگیء دہ روزہ
رکھے اِس غم کو خدا شہر محرم سے دور

عقل نیں ایک دن آکر یہ کہا سودا سے
خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کریو پیارے
جس کا ثمرہ رکھے تم کو دل عالم سے دور

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز
میلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جا بجا سوت ہیں پانی کے تہہ خاک ہنوز

'سودا' کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز

اے لالہ گو فلک نے دئے تجکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اِک دل ہزار داغ

کون کہتا ہے مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

رنگ گل بے طرح دھکے ہے سن اے ابر بہار
آشیاں میرا چھڑک لگتی ہے اب گلشن کو آگ

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرّہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

تسلی اس دیوانے کی نہ ہو جھولی کے پتھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پھڑیاں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آوے مگر تو خواب میں سو خواب ہی نہیں

مجکو نہیں ہے دل میں ترے راہ کیا کروں
پُر بے اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں

کس کی ہیں یہ چمن میں صبا بد شرابیاں
توتی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

نہ پوچھ سنگ و گل اے شیخ اس صدا کو مان
مرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلی کلیاں
چمن میں لیکے خمیازہ کلھی نیں انکھڑیاں ملیاں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

بلبل خاموش ہوں جوں نقش دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکار چمن

نوک سے کانٹوں کی ٹپکے ہے لہو اے باغبان
کس دلِ آزردہ کے دامن کش ہیں یہ خارِ چمن

جیو تک تو دیکھ لوں جو تو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجکو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

جادو بھری ہیں چشم مست آئنہ کو تو دیکھ
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ پلٹے نظر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

جرم ہے اس کی جفا کا کہ وفا کی تقصیر
کوئی تو بولو میاں منھہ میں زباں ہے کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں
کچھہ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الہی شتاب ہو

اس کشمکش سے دام کی کیا کام تھا مجھے
اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

بہار باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو
ہوا ہو ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو

روا ہے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریائے زہد چھپے راز عشق رسوا ہو

جو مہربان ہیں سودا کو مغتنم جانیں
سپاہی زادوں سے ملتا ہے دیکھیے کیا ہو

الٰہی ہے سخت نعم البدل کے تجکو دینے کی
مجھے اس کا عوض تو کچھہ نہ دے پر پھیر لے دل کو

بوؤں میں تخم گل کو جہاں وہاں زقوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو

اپنے چمن کو فائدہ کیا تجھہ سے اے نسیم
یہ جا ہے وہ کہ یہاں دم عیسیٰ سموم ہو

کعبہ کی زیارت کو اے شیخ میں پہنچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہ میخانہ

مت ہنس مرے رونے پر آسمان میں کہتا ہوں
ٹپکے ہے ابھی کوئی قطرہ اثر آلودہ

نسیم بھی ہے چمن میں اور اب صبا بھی ہے
ہماری خاک سے پوچھو تو کچھہ رہا بھی ہے

قدم سنبھال کے رکھہ خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

سودا جہان میں آکے کوئی کچھہ نہ لے گیا
جاتا ہوں ایک میں دل پُر آرزو لیے

غیرت عشق آنکر سود تو پروانوں سے سیکھہ
شمع سے اپنا ہی ملنا دیکھہ جل جاتے ہیں وہ

کس قدر اب کے ہوا مست ہے ویرانہ کی
کسی لڑکے کو نہیں سدہ کسی دیوانہ کی

سودا کو جرم عشق پہ کرتے ہیں آج قتل
پہچانتا ہے تو یہ گنہگار کون ہے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھہ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

اس حال کے نبھلے کا کچھہ اسلوب نہیں ہے
یہ کجروشی ہم سے فلک خوب نہیں ہے

کہتا تھا بنا گوش تری زلف کے آگے
میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہے

قاصد کے تئیں میں اپنے جو کچھہ کہ دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اُجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

جسدن تیری گلی کی طرف تک پّون بھی
میں آپ کو جلا کے کروں خاک تو سہی

پہنچی نہ آہ تجکو مرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بھی اپنی ہی کچھہ کہی

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھہ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جس سر زمیں پہ جا کے روؤں تیری یاد میں
دہقاں کچھہ اُس زمیں میں بجز دل نہ بو سکے

نہ ضرر کفر کو نہ دین کا نقصاں مجھہ سے
باعث دشمنی اے گبر و مسلماں مجھسے

اس کی خو سے نہیں محرم انہیں رونے سیتی کام
کیا کیا چاھتے ھیں دیدۂ گریاں مجھہ سے

آگیا رات میں جوں دزد حنا تیرے ھاتھہ
ورنہ جا پانوں کو لاگا ھی تھا چوری چوری

تجھہ تیغ تلے کبھہ تو رستم نے کہ سر دھر دے
پیارے یہ ھمیں نے ھو ھر کارے وھر مردے

دل کے تئیں ایک عالم کہتا ھے خدا کا گھر
اے عشق اسے آتش دے ھے تو سمجھہ کر دے

کھلنے تو لگا ھے دل جوں غنچہ ھمارا بھی
لیکن نہ صبا تجھہ سے گا ھے بدم سردے

سینہ کو رستموں کے نگہہ تیری توڑ دے
آنکھوں کی ھر پلک صف محشر کو موڑ دے

مرجاں کا نخل ھوں نہ پھلوں برگ و بار سے
ٹپکے ھمیشہ خون مری شاخسار سے

خنجر طلب ھے مرگ سے ھر آھوئے حرم
دل پھر گیا ھے کس کی مژہ کا شکار سے

زاہد چلا ہے کعبہ کو اور برہمن کلشت
بندہ ہیں اُس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے

جگ میں شرابخوار کی تشہیر کے لئے
سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

دولاب کی ہے حق بطرف مستی سے فریاد
پیمانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہووے

ہو دست خدائی میں تو یہ کیجے ملادی
ظالم ہو جو کوئی سو طرحدار نہ ہووے

کر ذبح شتابی مجھے صیاد کہ یہ صید
ہاتھوں ہی میں تیرے کہیں مردار نہ ہووے

میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گزرے
نہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گزرے

مومن نہیں زنار سے میرے آگاہ
اس رشتہ کو ہے سبحۂ اسلام میں راہ

اُس بت کا برہمن ہوں کہ صوفی یا شیخ
کہتے ہیں جسے دیکھہ کے اللہ اللہ

در منقبت جناب پاک مرتضوی صلوات اللہ علیہ گفتہ' رباعی :—

ایوانِ عدالت میں تمہارے یا شاہ
کچھہ ظلم کو ہے دخل عیاذاً باللہ

شیشہ کا جو وھاں طاق سے رپٹے ھے پانوں
پتھر سے نکلتی ھے صدا بسم اللہ
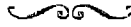
کلیم حسین

کلیم تخلص ' از شاھجہان آباد است - مردے سپاھی پیشہ ' شاعر مقررے ریختہ ' بوضع خود ' صاحب دیوان قصائد و مخمس و رباعی' طرزش بطرز کسے مانا نیست - اکثر بزبان مرزا بیدل حرف میزند ' در فہم شعر تہ دار اُو فکر عاجز سخنداں پشت دست بر زمین میگزارد ' طبع روان اُو مانند سیل روانست و فکر رسایش آں سوئے آسمان ' بازوے فکرش زورین کش کمان معنی را ' شعر پیچدار پر تا ثیر اُو تیر کاکل ربا - اگر چہ کلیم در فارسی گزشتہ است اما کلیم ریختہ پیش فقیر اینست - قطع نظر ازانکہ بندہ را بخدمت او قرابت قریبہ است یک اخلاص تہ دلی دارم ' و اکثر بحال این ھیچمد ان شفقت میفرماید - حق تعالیٰ سلامت دارد - از وست :-

آتی ھے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وے دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

درازیٔ شب ہجراں زلف یار کلیم
نہ مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

ہوچکی حشر گئی دوزخ و جنت میں خلق
رہ گیا میں ترے کوچہ میں گرفتار ہنوز

ہر تار پیچ زلف کے عالم کی جان ہے
گویا یہ اژدہا تھا کہ سب کو نگل گیا

قربان اس اکڑ کے عجب یہ مرور ہے
آشفتہ ہوگئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا

میں بانکپن سے تیرے نہیں ڈرنے کا رقیب
گر دل میں ہے تو مجکو بھی للکار دیکھنا

کیا رقیب پردہ در کے آج میں ماری ہے میخ
حلقۂ در کے نمط گھر سے اُسے بیروں کیا

نہ کچھ برا ہوا پرویز کا نہ شیریں کا
ترے ہی سر پر اے فرہاد جو ہوا سو ہوا

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اُس طرف ویرانہ کے ہوگا

نقاب اپنے رخ کا جو تو باز کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کیا ناز کرتا

وفا کا ہوں پر بستہ نہیں تو ز پنجرا
چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

تجھے برق خار سے کام کیا جو حیا ہے حق کو تلف نکر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کف پائے آبلہ دار کا

لگا جب غیر سیتی ہم طبق ہونے وہ مہماں کش
وہ اپنے ہاتھ دھوتا تھا میں اپنے ہاتھ ملتا تھا

کیا ہوا زلف سے گرہ کھولی
میرے سر کا تو یہ گرہ نہ گیا

قبر میں بھی لئے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسو کو سونپا

وہی ایک ہے جو ان دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈے ہے
پس اے زاہد اگر مسجد سے بت خانہ ہوا تو کیا

سر بھی ہے تیغ بھی ہے لگانا ہے تو لگا
کہو نہ جان پھر کے کہ یہ جیو چھپا گیا

ناصح تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا
روشن تھی شمع آہ دل اُس پر پتنگ تھا

زبان موج سے یوں بحر کہتا تھا حبابوں سے
کہ اپنا سر ہی کھاتا ہے جہاں میں جنئے سر کھینچا

اے شمع تیری باری ہے شب کو کہ شام تک
اپنے دنوں کو جتنا میں رونا تھا رو چکا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے کلیم
آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

تو نہ آیا باغ میں شمشاد غم سے خم ہوا
طوق قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں نیں قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا

وہ نازک تن لطافت سے کسی کو نہیں نظر آتا
مقرر ایک جا تو ہے نہ کیا جانے کہاں ہوگا

وہی دیر وہی بت وہی مالا
یہی انشاءاللہ تعالیٰ

چھپا ہے آ مری چشم پُرآب میں دریا
کہیں نیں دیکھا ہے ابتک حباب میں دریا

پاس ناموس محبت ہے مجھے ازبس کلیم
باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

دنیا نہ کر جوانوں سے یہ بوڑھا چوچلا
مدت سے ہم تو چھوڑے پھریں ہیں تجھے نپٹ

ہمیں تو پانوں پر بھی سر کے رکھنے کو نہ فرمایا
ملیں ہم خاک میں اور لے ترا داماں یا قسمت

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ
اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار پیچ

برق نظارہ سے ازبسکہ جلا ہوں نکلے
نگہہ گرم جو کوئی ڈھونڈے مری خاکستر

لالہ و گل سے مجھے کام کیا میری وحشت
مجھ اوپر لائی ہے یک رنگ سے رنگ دیگر

زلف کو خواب میں دیکھا تھا جنوں سے شب کو
صبح بیدار ہوا پائی گلے میں زنجیر

بوسہ تو کچھ نہ تھا اے میری جان اس قدر
تسپر رہے ہو ہم سے برا مان اس قدر

سو زخم کھا چکا ہے دل اُس پر جگر جلا
کہتا ہے مجکو زخم ہے ایک آرزو هنوز

جو صدا آتی ہے اُس وادی سے ہے سینہ خراش
یہ کوئی دل روتا جاتا ہے نہیں بانگِ جرس

ہم گم ہوئے ہیں ضعف سے جوں بو میانِ باغ
پھرتا ہے رنگ گل کہ ہمارا کرے سراغ

جوں کعبتین گھر میں مرے گل ہی ہے بساط
یک مشت استخوان ہوں اور شش جہت سے داغ

جو دینا تھا مانگے بغیر از دیا ہے
کٹے وہ زباں جو کہ اس پر ہو سائل

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل
کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب
ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

تم جام دو پیارے کیونکر کریں نہیں ہم
خون جگر تھا تو بھی پی ہی گئے وو ہمیں ہم

تو یار مل کے ہم سے جب ایک ہو گیا ہو
کس کو بعید مانیں کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو
یا تم ہی سب ہو ہم میں یا سب کے سب ہمیں ہم

طریق عشق میں مجنون و کوہ کن کے نہ کہہ
ہزاروں ہو گئے غارت سو ایک دو معلوم

مانند سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے
بیکارِ باغ ہوں نہ سزاوارِ باغ ہوں

جب اصل مذاہب کو واعظ سیتی ہم پوچھا
تب ہم سے لگا کہنے قصہ و حکایتیں

رنگ اوڑا مرجھا گیا اور جھڑ پڑا شرمندہ ہو
تجھ سیتی گل پر ہوئی کیا کیا خرابی باغ میں

جمعہ کو کہتا تھا واعظ سے کھڑا اِک رند مست
کچھ نظر میں تجھے بھی سود و زیاں ہے کہ نہیں

یہ سخن ہے کہ نہ پی مے سو وہاں پیوے گا
یہاں تو پی لیجئے کیا جانئے وہاں ہے کہ نہیں

نے و طنبور میں یہ سوز تو معلوم اے مطرب
کسی کا دل ہوا ہے شاید اس پردہ میں آنالاں

کسی سے بھی نہ ملئے ایک گوشہ میں پڑے رهئے
یہ فرصت یہاں تو نہیں ملتی هے مر جانے میں هو تو هو

تیر هے یا سناں هے تیری نگاہ
هو گئی پار مجھ جگر کے آہ

تری جناب میں آیا هوں یا الہ نہ پوچھ
یہی کہ بخشدے اور مجھسے کچھ گناہ نہ پوچھ

کوئی گل کا میں عاشق نہیں یہ داغ مجھے بس هیں
جاتا هوں میں گلشن سے بلبل نہ هو آزردہ

اب دم شمردگی سے مجھے کارو بار هے
هر دم مرے حساب میں روز شمار هے

غرور حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال هم فریاد کو پہنچے

توا ے باران رحمت اوج میں آموج سے اپنی
کہ یک قطرہ میں میری کشت کا بھی کام هو جاوے

جہاں میں یہ میں نہیں جانتا کہاں تو هے
پر اتنا جانوں هوں سب تو هی هے جہاں تو هے

میں کہتا تھا ساقی ایاغ اب کہاں هے
نپٹتھ دیر کے تئیں دماغ اب کہاں هے

اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاهئے
اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاهئے

دل پھر رہا ہے آبلۂ پا کی جوں کلیم
جز خار دشت کے میرا غم خوار کون ہے

گلرو تو چمن میں اچپلی سے نہ گیا
یہ دل بھی کلی سے بیکلی سے نہ گیا

جو کوئی کہ گیا چھوڑ گیا دل کو یہاں
کوئی دل سے تری گلی سے نہ گیا

ہر چاند لگاتے ہیں بتاں گل مہندی
تیرے ہی قدم تلے گئی رل مہندی

ہیہات ہیہات کیسا ہوگا وہ ہات
جس ہاتھہ سیتی داغ ہوئی گل مہندی
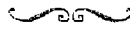
میاں صاحب میاں خواجہ میر سلمہ اللہ تعالیٰ

المتخلص بدرد ' جوش بہار گلستان سخن ' عندلیب خوش خوان چمن ایں فن ' زبان گفتگو یش گرہ کشاے زلف شام مدعا - مصرع نوشتہ اش بر صفحۂ کاغذ از کاکل صبح خوشنما - طبع سخن پرداز او سرو مائل چملستان اندازست - گاہے در کوچۂ باغ تلاش بطریق گل گشت قدم رنجہ می فرماید - در چمن شعرش لفظ رنگیں چمن

چمن، گلچین خیال او را گُل معنی دامن دامن - شاعر زور آور ریختہ ، در کمال علاقگی وارستہ ، خلیق ، متواضع ، آشنائے درست ، شعر فارسی هم می گوید اما بیشتر رباعی - گرمیء بازار وسعت مشرب اوست - غرض از آشنائی مطلب اوست - متوطن شاہ جہان آباد - بزرگ و بزرگ زادہ ، جوان صالح - از درویشی بهرۂ وافی دارد - فقیر را بخدمت او بندگی خاص است - اگرچہ حسن سلوک او عام ، سر حسن سلوک بپاے خود گرفتہ ، اعتزازِ را از گوشۂ دل نہادہ - خلف الصدق حضرت خواجہ ناصر صاحب سلمہ اللہ است کہ مقتداے عالم است - ایامے کہ فقیر بخدمت آں بزرگوار شرف اندوز میشد ، از زبان مبارکش می فرمود ، کہ میر محمد تقی تو میر مجلس خواهی شد - الحمد للہ و المنتہ کہ حرف آں سر سلسلۂ خدا پرستان موثر اُفتاد ، باطن آں خضر قافلۂ اهل عرفان کہ از ظاهرش ظاهر تر است زود کار کرد - مجلس ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخ پانزدهم هر ماہ مقرر است ، والله بذات همین بزرگ است ، زیرا کہ پیش ازین این مجلس بخانہ اش مقرر بود ، از گردش روزگار بہمدار برهم

خورد - از بسکہ بایں احقر اخلاص دلی داشت گفت کہ این مجمع را شما اگر بخانۂ خود معین بکنید ، بہتر است - نظر بر اخلاص آں مشفق عمل کردہ آمد - خداش ابدالاباد سلامت دارد - از وست -

کبھو خوش بھی کیا ہے جیو کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منہہ سے منہہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

بجھے شعلے بھی کتنے ' کتنی ہی موجیں مٹیں یارب
کبھو دل کی بھی ہوگا کام آخر اضطرابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یہاں فرصت ہستی
فلک نیں ہم کو سونپا کام جو کچھہ تھا شتابی کا

زمانہ کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھہ تو نیں
ملایا مثل مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جیدھر پھریں وہ ابرو اودھر نماز کرنا

جگ میں آکر ایدھر اودھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نیں آنکھہ بھر دیکھا

نالہ و فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہوسکا سو کر دیکھا

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

دیکھئے غم سے اب کے جیو میرا
نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا

قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بد خواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

عاشق بیدل ترا یہاں تک تو جیو سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا

کی تو تھی تاثیر آہ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے خاک کا یہاں ڈھیر تھا

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یہاں
اپنے بورئے پر جو گدا تھا شیر تھا

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی تک راہ کا ہی پھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو ایک دن مرا جیو ہی جاتا رہے گا

میں جاتا ہوں دل کو تیرے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا

خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تو
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نیں تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر
تو بھی تو درد داغ دل اپنا نہ دھو سکا

انداز وہ ہی سمجھے مری دل کی آہ کا
زخمی جو کوئی ہوا ہو کسی کی نگاہ کا

ہر چند فسق میں ہیں ہزاروں ہی لذتیں
لیکن عجب مزا ہے فقط جیو کی چاہ کا

دل اس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی
اے بے خبر برا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا
عاشق پھر جیو کے کیا کرے گا

اپنی آنکھوں میں اس کو دیکھوں
ایسا بھی کبھی خدا کرے گا

مژگان تر ہوں یا رگ تاک بریدہ ہوں
جو کچھ کہو سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے
وگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے

یہ حسن و عشق مل سمجھیں گے یا آپس میں خوں ہوگا
پر ان دونوں کے الجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے

یارب سپہر اتنی تو اب در گذر کرے
کوئی خانماں خراب کسو دل میں گھر کرے

نہ خانۂ خدا ہے نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں

میں اور مجھ سے درد خریداری ٴ بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں
گر آئنہ کے سامنے ہم آکے ہو کریں

ہر چند آئنہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے رو برو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نجا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر
اے درد آکے بیعت دست سبو کریں

اس نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جیو بتنگ
جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں

مدت تلک جہاں میں ہنستے پھرا کئے
جیو میں ہے خوب روئیے اب بیٹھ کر کہیں

پھرتے تو ہو بناے سج اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

ایک دل سو وہ بھی ہو ہی چکا صرف داغ سب
بہتا پھرے ہے خوں میں کہیں کا جگر کہیں

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
اے خانماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں

کہنے لگا مکان معین فقیر کو
لازم ہے کیا کہ ایک ہی جا کہ ہو ہر کہیں

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
تو نیں سنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں

مست ہوں پیر مغاں کیا مجکو فرماتا ہے تو
پائے بوس خم کروں یا دست بوسیء سبو

تال دیتا اُس کو نت ہر طرح جوں قبلہ نما
پھر مجھے ہر پھر کے آ رہتا اُسی کے روبرو

ربط ہے ناز بتاں کو تو مری جان کے ساتھ
جی ہے وابستہ مرا اُن کی ہر ایک آن کے ساتھ

اپنے ہاتوں کے ہی میں زور کا دیوانہ ہوں
رات دن کشتی ہی رہتی ہے گریبان کے ساتھ

گر مسیحا نفسی ہے یہ ہی مطرب تو خیر
جیو ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر ایک تان کے ساتھ

جی کی جی میں رہی کچھ بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دید و وا دید تو ہوئی دور سے میری اُس کی
پر جو میں چاہا تھا وہ بات نہ ہونے پائی

قطعہ

اٹھ چلے شیخ جیو تم مجلس رنداں سے شتاب
ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی

جی میں مرکوز جو تھی آپ کی خدمتگاری
سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

فرصت زندگی بہت کم ہے
مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے
دونوں عالم کا ایک عالم ہے

اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن
جو شجر ہے سو نخل ماتم ہے

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے
زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تیری آرزو ہے اگر آرزو ہے

غنیمت ہے یہ دید و وا دید یاراں
جہاں آنکھ مند گئی نہ میں ہوں نہ تو ہے

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یہاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

پتھر تلے کا ہاتھ ہے غفلت کے ہاتھ دل
سنگ گراں ہوی ہے یہ خواب گراں مجھے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خون ہی رواں ہے
جو کچھ ہے دل میں میرے منہ پر میرے عیاں ہے

آھوں کی کش مکش میں کہیں دیکھیو نہ توٹے
تار نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے

یہ راہ خاکساری میں سر سے قطع کی ہے
نقش جبیں ہے میرا ہر نقش پا جہاں ہے

مت موت کی تمنا اے 'درد' ہر گھڑی کر
دنیا کو دیکھ تو بھی تو تو ابھی جواں ہے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے

دل دے چکا ہوں اُس بت کافر کے ہاتھہ میں
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

ماہی سے کچھہ نہ ہووے بیاں شست کی خلش
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے
تو کوئی نظر قابل دیدار نہ ہووے

پھر موت کسو طرح سے نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

گزرے نہ ترے سامنے سے کوئی کہ وہیں
شیشہ کی طرح دل کی نگہہ پار نہ ہووے

دل ویسے ستمگار سے اظہار محبت
ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دیکھہ لوں گا میں اُسے دیکھئے مرتے مرتے
یا نکل جائے گا جی نالہ ہی کرتے کرتے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یہاں مجلس ہی
خالی ہوئی جاے ہے پیمانہ کے بھرتے بھرتے

درد جوں نقش قدم تھا سر رہ اُس کے
مٹ گیا اوروں کے ہی پانوں کے دھرتے دھرتے

اپنے بندوں پہ جو کچھہ چاہو سو بے داد کرو
یہ نہ آجاے کہیں جیو میں کہ آزاد کرو

کوئی دم جو چپ رہا تھا میں جانا کہ مر گیا
اے وائے 'درد' تونیں پھر اب نالہ سر کیا

ساقی ہوائے ابر میں رو رو کے تجھہ بغیر
ایسا ہوا کبھی نہ کہ دامن نہ تر کیا

وحدت نے ہر طرف تیرے جلوے دیکھا دئے
پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دئے

یارب تھی کیا خرام وہ جن نے ایک آن میں
کتنے ہی مردے حشر سے آگے جِلا دئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا میرے تمام
اے درد کچھہ بہادئے اور کچھہ جلادئے

میر سجاد

از اکبرآباد است، مرد طالب علم مستعد و شاعر خوب ریختہ، شاگرد میاں آبرو، 'سجاد' تخلص میکند - بسیار آدمی خوبے است سخن او بپایۂ اوستادی رسیدہ - چلیں خوشگو و معنی یاب اگرچہ در بند لفظ تازہ است، لیکن بر زبان خامۂ او خیلہاے معنی سپاہی می کند - لب و دھن ھر کم بغلے نیست، کہ پیش او چوں کاغذ سفید بشود - فکر رنگیں او چمن تلاش را سایۂ ابر بہارے، ھر

مصرع بندش را طرف لطف با چلا رے' ہر بیت بحر خفیفش بر جگر نشتر زن' زبان طاقت بیانش رگ سخن - بے انصافی امر علحدہ است وگرنہ تہ دارئی شعر او نمایاں است' ہر کہ واقف موشگافئی طبع اوست می داند کہ شعر سوختہ پیچدارش بموے آتش دیدہ میماند - قبل ازیں بخانۂ او مجلس یاران ریختہ میشد - بندہ نیز میرفتم - اکنوں بسبب عوارضات طرفین ربط گونہ ماندہ است - از وست -

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی
مر جا ستم سے ان کے تو کہتے ہیں حق ہوا

اگرچہ باطل باطل است ' لیکن بجاے کافر کہ اول پیش مصرع واقع است باعتقاد فقیر لفظ باطل حق است -

گر تیرے گل کے آنے میں کھوئے نہیں حواس
سجاد کیوں پھرے ہے سجن آج فق ہوا

ساقی بغیر جام کے جیو کا بچاؤ نہیں
جیوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ پلا

کیوں مشت گل بھی دل کی نہ رونے میں بہہ گئی
سجاد مجکو باقی ہے چشموں سے یہ گلا

غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل
پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا

تجکو اے 'سجاد' غیر از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھہ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

جو دل ہو گلوں سے اٹکتا ہوا
وہ کانٹا ہے جیو میں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے 'سجاد' تجکو
کریں پر کیا خدا نے جو نچا ہا

گر تک زمیں پہ لونڈے کی پیٹھہ کو لگاویں
جانیں ہم اپنے دل میں رستم کے تئیں پچھاڑا

آتش غم نے ہم کو سرد کیا
دل پھپولا ہوا وہ درد کیا

بتوں کی بھی یہ یاد دو روز ہے
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

اب جلا لے تک آن کر ساقی عمر کا بھر چکا ہے پیمانہ

عشق میں جاے گا کہیں مارا بے طرح دل ہوا ہے آوارا

مقبول اس جہاں کا ہرگز غلطی ندیکھا
راجا وہی ہے جو کوئی یہاں سے گیا ہے رانا

سجاد کوئی دیکھے بیتابیاں تو دل کی
ہے زندگی ہماری یہ موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر ستی نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

لاوتے ہو میرے آگے کیا دوا
خون دل اپنا پیوں میں یا دوا

دل میں تو خطرہ نہ لا ہرگز طبیب
دیکھ کر میرے مرض کو لا دوا

جان و دل سب قبول ہے جانا
پر گلی میں تری مجھے آنا

میں نے جانا تھا قلمبند کر یگا دو حرف
شوق کے لکھنے کا 'سجاد' نے دفتر کھولا

بیٹھے اگر خوشی سے آکر چمن میں بلبل
کریال میں غلیلا ایسا لگے کہ اُڑ جا

خط کترو ا کے آج قینچی سے ہم سے ملنے میں جاے ہے کترا

تیری شمشیر سے جدا ہو کر سر مرا مجکو تن نہیں دیتا

کیا کرے پاؤں بھی کہ جنگل میں
کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

مرے دیکھ کر حال دامان کا
پھٹے کیوں نہ سینہ گریبان کا

سب کی نظر سے گر کر ایک دم میں پست ہو جا
گر سے کشوں میں آوے زاہد تو مست ہو جا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم ندھڑ کے
ہرگز ہمارے دل میں سر کا نہیں ہے دھڑکا

شتابی پلا دے کہ جاتا ہے ابر
جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

'سجاد' مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح
غصہ ہوا ہے یار میں کچھ اندنوں غضب

چھن دے ہے نہ چین لے ہے آپ
دل ہوا ہے ہمارے جیو کچھ پاپ

کبھی منزل یہ ہوئی نہیں پوری
بہت اس راہ کو گئے ہیں ماپ

ہر کام کا اگرچہ ہوتا ہے سہل اول
پر عشق کی ستم ہے کوئی ابتدا نہایت

ایک دکھ ہے عاشقی کے پنتھ میں
پانوں کے نزدیک راہ دور دست

جلنے سے صدق دل کے سبب بچگیا خلیل
وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

دل آبادی میں تنہا کھینچ مت رنج
کہ ویرانہ میں دیوانوں کا ہے گنج

بلد میں مت رہ دیوانے عقل کے
کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

غیروں کو جان خواب میں غفلت کے ڈال کر
ایک رات آکے سو رہو ہم پاس آنکھہ موندہ

مر گئے پر اگر نہیں آسیب
کیوں یہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نامہ عبث کو جا کاغذ
اپنے اوپر نہ حرف لا کاغذ

یہ دھواں سا فلک ستاروں ساتھہ
ہے نظر میں میری جلا کاغذ

آسماں ایک رقعہ وار نہیں
غم کے لکھنے کو ہو بڑا کاغذ

جیتے چمن کے بیچ بٹھائے ہیں نونہال
تعظیم تیری کرتے ہیں سب اُٹھہ کے سروقد

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہے قہر
جنگل میں آبھرا ہے نکل کر تمام شہر

ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ
لاگی ہے جس زمانہ سے جلتی ہے دھر دھر

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ
رات یہ دن تھے اہل مجلس پر

باد صبا سے زلف معطر کی ہم تلک
مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھہ خبر عطر

کوئی کم گیا ہوگا زلفوں کی راہ
بہت رکھتے ہیں اس سفر سے حذر

دیوانہ کا نہیں مطلب دیوانہ
تو کیوں نامہ پہ ہے سطروں کی زنجیر

شوق جنوں میں تیرے عوض چاک جیب کے
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

لخت جگر ہمارا پانوں کے ساتھہ کھا کر
کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

کیوں زرق برق کر کے نہ حاضر ہوں تجھہ حضور
ہیں تیرے گھر کے سب یہ زری پوش خواجہ تاش

کھا گیا مجروح دل میرے کو داغ
حال کیا کچھہ گوشت کا کرتا ہے زاغ

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف
روز سیاہ و نالۂ شب گیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب ستی رہتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے ملھہ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

دور میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں
خط چرا لیجائے دل کو اور باندھی جا ہے زلف

جس خوبرو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اُس کے تئیں حسن اتفاق

دل کو کبھی پیار دلا کر کے تو سجن
لاگا نہیں گلے سے مرے آکے آج لگ

جب تک ترے بدن کو نہ عاشق بدن لگائے
لگتا نہیں ہے تب تیں ہرگز کچھہ اُس کے آنگ

زلفوں کے جب اُلجھتے ہیں اس ساتھہ آکے بال
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

گلی میں تری بیٹھتے ہی سجن
اِن آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

تدبیر اور کچھہ نہیں مجلوں کے حسب حال
لیلیٰ کے والدین اُسے دیں شہر نکال

کیا جانتے تھے ہم سے مل کر کے اصل سے کل
ابکی بہار میں یوں ہوویں گے فصل سے گل

سجاد فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی
لگتے ہیں جا کے یار کے منھہ سے سخن میں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے اسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

پھیر جاہیں خوبرو آنکھیں کریں ہیں جب بلاؤ
دیکے سرمہ کے تئیں ہو جاہیں ظالم سیاہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں
سب مزے در کنار ہوتے ہیں

نا خدائی تک ایک کر ساقی
ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

تیر ڈوبیں کسی نشانے پر
میرے سینے کے پار ہوتے ہیں

ابتو ہم نے کیا گریباں چاک
تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپنے سجن بندگی کے کاموں میں
نہیں میں دیکھتا صاحب کے کوئی غلاموں میں

کس طرح کوہ کن پہ گزریگی ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

از مصنف همچنیں هر دو مصرع شیلده شد :—

ہجر شیریں میں کیونکہ کاٹے گا
کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں
آنکھیں نشہ کے بیچ تمہاری گلا بیاں

میں جو اُس کی گلی میں جاتا ہوں
دل کو کچھہ گم ہوا سا پاتا ہوں

سایہ میں ہم اُس باغ کے ہر بلبل و گل ساتھہ
مدت تئیں دیوار بدیوار رہے ہیں

دیکھوں طبیب در پے دارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جو ایک دھج ہے ابروے خمدار میں
کہاں پائی یہ ضرب تلوار میں

ہر سادہ رو مخطط ہونے کی دھن رکھے ہے
لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو لکھدیں

جب کرے ہے ترے دھن کا بیاں
منھ سے غنچہ کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جاے سر
جان اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

تیری وحشی نگہہ سے جنگل میں
بھا گنے پر غزال بیٹھے ہیں

دونوں طرف جو منھہ پہ ہیں موجیں سی جاریاں
لہریں ہیں میرے شوق کی زلفیں تمھاریاں

صیت شعر اب مرا ہوا ہے بلند
شاعروں کو کہو کہ فکر کریں

لب شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ سجاد کے دل کے جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع اُس کو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لایق
اس آبلہ کو کیوں تم کانٹوں میں اینچتے ہو

ہرچند در مثل تصرف جائز نیست ' زیرا کہ
مثل اینچیں است '' کہ کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے

ہو" لیکن چوں شاعر را تا در سخن یافتم معاف داشتم۔

دیکھ مہندی لگی اُن ہاتوں کو
پھول آکر لگے ہیں پاتوں کو

تو روز وصل میں لے بیٹھے پاس کن کن کو
یہ راتیں ہجر کی کاٹی تھیں ہم اسی دن کو

چھاتی ترتے ہے کھلتے وس کی گانٹھ
زر ہو غنچہ کی طرح جس کی گانٹھ

سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہے
زلف تیری ہے کوئی بس کی گانٹھ

نہ چوں زلف تیرہ ہے ہر دل کی آہ
نصیبوں سے ملتے ہیں بخت سیاہ

تجھ آنکھوں تلے اندھیرا ہے
پتلیاں یہ نہیں نین ہیں سیاہ

دل جیسے خط کے سبزے میں کھایاں ہو گئے
پڑتے ہیں ایسے جنگ میں بھی کھیت گاہ گاہ

شرمندہ ہوگئی ہے تیرے منھ سے آرسی
اب پھر کے رو برو ترے ہرگز وہ آئنہ *

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز
یوسف اپنا پیرھن تہہ کر رکھے

* آے نہ = نہ آے۔

رات اُس زلف کا وہ افسانہ
قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

آبلے ہے خدا سے پیری میں
بت پرستی ہے اور جوانی ہے

جو کوئی گرا سو آخر تحت الثری کو پہنچا
ظالم کے گھر کی گلیاں کچھ کم نہیں کوے سے

بے تکلف ہوسبھوں سے وہ ملے ہے سجاد
دختر رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

اگر شعر من می بود پیش مصرع ایلقسم میگفتم :—

بے تکلف ہو نپٹ سر پہ چڑھے ہے سجاد

ہاتھ ہی میں رہے ہے طفلوں کے
یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

تک اس کی کان دھر کرتم سنو نے
پرانے درد مندوں کی ہے یہ لے

بختوں بازی کہیں سجن مل جاے
لیکن ایسے کہاں نصیب مرے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے
جو یہ کشتی ترے تو بس ڈوبے

ہمہ شعر سبحان اللہ ؛ لیکن فقیر را از دیدن ایں

شعر تواجد دست بہم میدھد ؛ از بسکہ از خواندن ایں

شعر حظے بر میدارم، می خواہم کہ بصد جا بلویسم —

تمہیں غیر سے صحبت اب بنی
اُسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے
یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

جب تک نہیں پہنچتی ترے آستاں تلک
تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے

کچھ یہ سجاد کے جیو پر ہی عجب حالت ہے
ورنہ دیکھے ہیں میں اس درد کے بیمار کئی

اے صنم زنار پہنی تجھ وفا کے واسطے
ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خداکیواسطے

عاشقوں کا صنم لہو پی پی
دم بدم تیری تیغ اوگلے ہے

ماہرو بن یہ شمع محفل میں
جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے

سپرداری اس کی کسی سے نہ ہو
یہ ابرو تری ننگی شمشیر ہے

پانوں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں
کیا پھپولوں نیں سر اوٹھایا ہے

ہرگز آنے نہ دینگے غیروں کو
جان ہر چند ہم گئے ہونگے

میر محتشم علی خاں

حشمت تخلص، سید صحیح النسب بود - سپاهیء عمدہ روزگار، شاعر خوب فارسی و ریختہ فہمیدہ، سنجیدہ - باهمہ بعجز و انکسار پیش می آید - جاسے بود، کہ در دل همہ کس جائے او خالیست، از خاک پاک دهلی بود، در مغل پورہ سکونت داشت - برادر کلاں اُوکہ میر ولایت الله خاں باشد از مغتنمات روزگار است- دیریست کہ ترک روزگار کردہ خانہ نشین است - گاهے فکر شعر هم میکند - بر فقیر شفقت و عنایت بسیارے میکند - خدا در حفظ خودش نگاہ دارد، وآں مرد از نا مردیء روزگار ناهنجار فوراً فوت شد، خدا ش بیا مرزد - از حشمت است -

نکہت گل نیں جگایا کسے زنداں کے بیچ
پهیر زنجیر کی جهنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانہ کی خبر لو اگر زنجیر کرنا هے تو کر لو

کرم الله خاں درد

همشیرہ زادۂ نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر است - بسیار خوش فکر، و عاشق سخن، خالی از درد

ملدی نیست - خوب می گوید ' و خوب می فهمد - بندہ بخدمت او رفته یک ملاقات کردہ ام ' طبع شور انگیزے دارد' مرد خوش خوبیست ' خدا ش زندہ دارد - ازوست :-

مرے سینہ میں ہر یک سانس ہوکر پھانس کسکے ہے
خلش دل کی نکل جاوے تو کیا آرام ہو جاے

سامنے ہوتے ہی پھر نعش نہ پائی دل کی
بہ گیا نوک سناں پر صف مژگان کے بیچ

اشرف علی خاں

' فغاں' تخلص کوکۂ بادشاہ احمد شاہ ' داخل ذیل نیمچہ اُمرایان است' بسیار جوان قابل ' و ہنگامہ آرا' شعر ریختہ را بخوبی می گوید - گاہے فکر غزل فارسی ہم می کند - شاگرد قزل باش خان مرحوم است - درین ایام طبع او مائل لطیفہ بسیار است ' چنانچہ ناگر مل را کہ دیوان تن و دخیل بادشاہیست " گھی کی منڈی کا سانڈ " گفتہ - ہر کہ دیدہ دیدہ باشد و فہمیدہ باشد ' و حکیم معصوم را در در بار معلی " گاؤ گجراتی " نام کردہ - ہرکہ حکیم صاحب را بیند داند- بندہ بخدمت او بسیار مربوطم - ازوست -

ساقی نہ میں یہاں آپ سے کچھہ چشم تر آیا
دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

آوارہ پریشان و شکستہ دل و بد نام
ملتے تھے فغاں جس کو سو آج ہی نظر آیا

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
کب آستیں تری مرے لوہو سے بھر گئی

ایں شعر را مرزا رفیع در غزل خود قطعہ کردہ است' و چہ خوب کردہ -

شیخ محمد حاتم

'حاتم' تخلص از شاہ جہان آباد است - می گوید کہ من با میاں آبرو هم طرح بودم - مردیست جاهل و متمکن و منقطع وضع' دیر آشنا غلا ندارد و دریافتہ نمی شود کہ ایں رنگ کہن بسبب شاعری است' کہ همچو من دیگرے نیست' یا وضع او همیں است - خوب است مارا باینها چہ کار - شعر بسیار دارد' دیوانش تا ردیف میم بدست آمدہ بود' و پارۂ اشعار آں نگاشتہ می شوند - با من هم آشنائے بیگانہ است - از وست -

مثال بحر موجیں مارتا ہے لیا ہے جن نے اس جگ سے کنارا

آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا
ہیگا لباسیوں میں جن نے لباس رنگا

پانو مت دھر بوالہوس بحر عمیق عشق میں
جان کر ڈوبا ہے یہاں انجان جو آکر ترا

نال کی سی طرح چاہے تھا کہ بالادے مجھے
مدعی آخر کو اپنے زور میں آپ ہی گرا

آب حیات جاکے کسو نیں پیا تو کیا
مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو گیا

ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی
کہ کہے سب جہاں وصال ہوا

تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے
بوریا کا نقش ہم پہلو مرا

ہر قدم پر سرو پانی ہو بہے
جو چلے وہ قامت دلجو مرا

حاتم بیکس کا تجھہ بن کون ہے
کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

ہائے بے درد سے ملا کیوں تھا آگے آیا میرے کیا میرا

اگر شعر من می بود. ایں چنیں می گفتم –
مبتلا آتشک میں ہوں اب میں آگے آیا میرے کیا میرا *

---

* حیرت ہے کہ گردیزی نے میر صاحب کے اس اصلاح کردہ شعر کو حاتم سے منسوب کیا ہے –

پیش گرمی درین مصرع و خنکی در آن شعر روشن است -

لیا اُس گلبدن کا ہم نے بوسہ
تو کیا چوماں رقیبوں نے ہمارا

شاید عمل کیا ہے رقیبوں کی بات پر
تب تو دلوں کا چور پھرے ہے چھپا ہوا

نظر آتا تھا بکری سا کیا پر ذبح شہروں کو
نجانا میں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا

ان دنوں میں دیکھہ کر ہم کو اپھرتے ہیں رقیب
پیٹ ہے اُن کا بھرا کل پرسوں مرتے ہیں رقیب

وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے گل بادام پر
کرکے نرگس کی قلم اور چشم آہو کی دوات

مے پلا کے راہ کھویا ہے رقیبوں نیں اُسے
آوے حاتم کی طرف جب کہ کبھو مست آوے

چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ
حسن رہزن ہے یہ پنجاب کی راہوں کے بیچ

ایک دن ہاتھہ لگا یا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ

گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اُسے رسوا کرونگا باندہ کے دیواں کے بیچ

شعر خوبست لیکن لطیفہ متبدل شدہ است ، کہ او در دیوان بادشاہی گفتہ بود ، بر روئے امیرے کہ نامش از خاطر رفتہ است ۔ در دیوان صاحب رسوا شدم ۔ صاحب هم عزت خود در دیوان من خواهند دید ۔۔

کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد
کوئی سنتا نہیں فریاد فریاد

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجا ہے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر

آج نرگس کا قلم کرکے سجن لکھتا ہوں
وصف آنکھوں کا ترے کاغذ بادامی پر

جب سوں تیری نظر پڑی ہے جھلک
تب سوں لگتی نہیں پلک سے پلک

دیکھہ طور اس دور کا حاتم نیں کی ترک شراب
یاد کر کر سبز رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

در لفظ سبز رویاں تامل کردن ضرور است زیرا کہ آشنائے گوش ایں هیچمدان نیست ۔۔

خاصے سجن کا ملنا تن سکھہ ہے عاشقوں کو
گاڑھے رقیب سارے مرتے ہیں هات ململ

دلوں کی راہ خطر ناک ہوگئی آیا
کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام

مارا ہے سنگ دل نیں دکھا مجکو رنگ سرخ
تعویذ مجھہ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ

—*—

یکرو

یکرو تخلص مردے بود، شاگرد میاں آبرو، بر احوالش اطلاع ندارم مگر دو سہ مرتبہ در مجالس ریختہ دیدہ ام با آنکہ ہیچمدان فن ریختہ بود، ولیکن خود را خود ہمہ دان میشمرد - از وست —

دل پر مرے ہیں داغ ترے ہجر کے کئی
گلنے میں جن کے عمر میری سب گزر گئی

—*—

میاں صلاح الدین عرف مکھن

پاکباز تخلص، شخصے است گوشہ نشین، شاگرد میاں یکرنگ کہ احوالش نوشتہ آمد - بسیار کم اختلاط گویا آشنا شدن را نمی داند، پسر میاں شاہ کمال، نبیرۂ شاہ جلال قدس سرہ است - اکثر بورد و وظائف مشغول می باشد - در مجمع شاعران ریختہ کہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ

قرار یافتہ است ' اگر دماغ وفا میکند تشریف می آرد - مزاجش خالی از وحشت نیست - از وست —

جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں
تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

—*—

محمد اسمعیل

بیتاب تخلص ' مرد درویشے بود ' شاگرد میاں یکرنگ ' بسیار مربوط ' مضبوط الاحوال - دریں ایام بخانہ جعفر علی خاں میرزمت کہ از پشت اسپ بر افتاد ' و دستش شکست ' بیماری دوسہ ماہ کشید ' آخر از ہماں آزار مرد - خدا ش مغفرت بکند - بافقیر نیز آشنا بودند - از وست —

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رہتا مرا دل

تڑپ کر مرگئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

— * —

انعام اللہ

یقین تخلص ، شاعر ریختہ صاحب دیوان ، از بسکہ اشتہار دارد ، محتاج بہ تعریف و توصیف نیست - تربیت کردۂ مرزا مظہر است - پدرش اظہر الدین خاں نام دارد - با جدش در سرہند ملاقات کردہ بودم - بسیار آدم با مزہ یافتہ ، بسلوک پیش آمدہ ، و ضیافت فقیر کردہ ، تا دیر نشستہ صحبت مستونی داشتم - شعر فارسی بطرز میگوید - آمدم برسر مطلب - میاں یقین را مردمان می گفتند ، کہ مرزا مظہر اُورا شعر گفتہ میدہد و وارث شعرھائے ریختۂ خود گرداندہ - از قبول کردن این معنیش بندہ را خندہ می آید ، کہ ہمہ چیز بوارث میرسد اِلا شعر - مثلاً کسے بر شعر پدر خود یا بر مضمون او متصرف شود ، ہمہ کس اورا دزد خواہند گفت ، تا بشعر استاد چہ رسد - القصہ پر و پوچ چندے کہ یافتہ است کہ ما و شما نیز می توانم یافت - این قدر بر خود چیدہ است کہ رعونت فرعون پیش او پشت دستے بر زمین

می گزارد- بعد از ملاقات این قدر خود معلوم شد
که ذائقۂ شعر فہمی مطلق ندارد- شاید از ہمیں راہ
مردمان گمان ناموزونیت در حق او داشتہ
باشند- جمعے بر ایں اتفاق دارند، کہ شاعریِ
اُو خالی از نقص نیست، چرا کہ شاعر ایں قسم کم فہم
نمی باشد- از شخصے منقول است کہ بخانۂ عطیۃ اللہ
کہ پسر نواب عنایت اللہ خاں مرحوم باشد یقین نشستہ
بود و می گفت، از آں روز یکہ مرزا دست استادی در
سر من داشتہ است شعر من ترقی کردہ- شخص
مذکور ایں مصرع نظامی پیش حضار مجلس بآواز بلند
خواند- مصرع :- شد آں مرغ کو خایہ زریں نہاد-
حاصل او را بیضہ در کلاہ شکست- میاں شہاب الدین
ثاقب کہ احوال اُو نوشتہ خواہد شد نقل می کرد کہ من
محض برائے امتحان بخانۂ اُو رفتم و یک غزل طرح
کردم- من غزل بانصرام رسانیدم، و ازو مصرعے موزوں
نشدہ، اللہ اعلم- میاں محمد حسین کلیم کہ احوالش
گزشت قصیدہ گفتہ است، مسمی بہ روضۃ الشعرا- درو
نام تمام شعرا را نقل کردہ، ازاں جملہ نام ایشاں را نیز

آوردہ ' لیکن بکذایۂ غریبے کہ سخن فہم می فہمد و آں ایلست —

یقیں کے شعروں پر ہیں بد گماں بعضے کہ اس کے نہیں
غلط ہے ہم نے بوجھا ہیگا مرزا جان جاناں کو

نام مرزا ' جان جان است و شاعر جان جاناں بستہ - چوں اکثر عوام نام مرزا از غلطی جان جاناں می گویند شاعر مذکور نظر بر شہرت ہمچنیں موزوں کردہ - اگرچہ نمی بایست کہ گفتگوے ما با خواص است - در بزرگ زادگی و شرافت و نجابت میاں یقین سخنے نیست - از خانوادۂ بزرگیست - با بندہ ہم آشنائی سرسری دارد - ازوست —

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

رو اگر دیجئے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں
آئینہ سے بھی گیا کیا دل حیراں میرا

یقیں اُس کے در دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دھولے آب گوہر سے دہن اپنا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا

اگرچه اکثر شاعران ریختہ را متبدل بلند یافتہ ام متبدل می گویند و توارد می نامند - گویا این شعر اُستاد در حق ایشان است —

هرچه گویند بے محل گویند
در توارد غزل گویند

لیکن شعر یقین لفظاً لفظاً متبدل رائے انند رام مخلص است کہ گزشت - طرفہ تر این کہ آنہم در سلیقۂ سرقہ یکہ بودہ است - خدا داند کہ این معنی در اصل از کیست شعر این است —

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وامی کنیم ما

از یقین است —

آنکھ سے نکلے پر آنسو کا خدا حافظ یقین
گھر سے جو باھر گیا لڑکا سو ابتر ھوگیا

یقین سوز و گداز اپنے کو گر اظہار میں کرتا
خدا شاھد ھے آتش کا بھی زھرہ آب ھوجاتا

اگر مرکر نہ میں اُس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا

زباں فولاد کی ھو جب جواب کوھکن دیوے
ستم ھوتا اگر پرویز کو عشق امتحاں کرتا

کہتے ہیں کہ تسخیر یں آئینہ کو آتی ہیں
دل سے نہ ہوا جو کام آئنہ سے کیا ہوگا

نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصر شیریں میں
جو میں ہوتا تو جاے شیر جوے خوں رواں کرتا

ناچار لے دل اپنا گیا گور میں یقیں
اس جنس کا جہاں میں کوئی قدرداں نہ تھا

عاشق اور معشوق کی عالم سلد کرتے ہیں سب
تجھہ سے خونخواری کی طرز اور مجھہ سے غم کھانے کی طرح

اب جو اُڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم آگے نہ بوجھے اپنے بال و پر کی قدر

کیا کروں مژگانِ تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بے طرح اُمڈے ہیں یہ برسیں گے زور

خال گورے مکھہ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اِس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف
خوش نہیں آتا نظر کرنا غزالاں کی طرف

اِس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب
دیکھہ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف

ہمارے درد کی دارو اگر کچھہ ہے تو دارو ہے
یہ سب کچھہ سن کے ساقی بات پی جانے کا کیا حاصل

جب دیکھتا ہوں تنہا تجکو سجن چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجکو
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

اگر بجاے خوش نصیبی ' خوش معاشی می گفت '
این شعر بسیار با مزہ می شد ــ

خوباں یقیں کو معذور اب تو رکھو کہ اُس کے
لو ہو نہیں جگر میں آنسو نہیں نین میں

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اٹھنا یے دماغوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

نہ گذرا ہوگا مجھہ سا کوئی رنگیں باؤلے پن میں
گریباں آپڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

یقیں سے جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھہ کر لوگے
پڑا ہوگا دیوانہ سوختہ سا کنج گلخن میں

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

وہ ناخن ابروے خوباں سے خوشنما تر ہے
کسو کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

خواب میں کس طرح دیکھوں تجکو بےخوابی کے ساتھہ
جمع آسایش کہاں ہوتی ہے بیتابی کے ساتھہ

صفت نہیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقیں
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

زنجیر میں زلفوں کے پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
نرا برا نہیں یہ شغل کچھہ بھلا بھی ہے

اس اشک وآہ سے سودا بگڑ نہ جاوے کہیں
یہ دل کچھہ آب رسیدہ ہے کچھہ جلا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا
کسی کا دل کبھی پانوں تلے ملا بھی ہے

ایک پل بھی نہیں ٹھہرتا ہاے آنسو کی طرح
اس دل بیتاب کو کوئی تسلی کیا کرے

وصل کی گرمی سے مجکو ضعف آتا ہے یقیں
دیکھیے مجھہ ساتھہ خوبوں کی جدائی کیا کرے

اُس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے
جیو میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمیں کیجئے

مزے سے عشق کے دوزخ بھی اس فرقہ پہ جنت ہے
خدا ہم کو کرے محشور امت میں محبت کے

نہ نکلا کام کچھہ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دیوانہ ہوں میں اپنے جیو سے مجنوں کے سلیقہ کا
مزے لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

یار اگر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گزر
منزل مقصود ہے دونوں جہانوں کے پرے

مجھے یہ بات خوش آئے ہے ایک مجنون عریاں سے
کیا کیجئے کہاں تک چاک، ہم گزرے گریباں سے

فقیر نیز یک شعر دارد قریب بہمیں معنی و باعتقاد

خود بمراتب ازیں شعر بہتر میداند - ایںست ---

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اب گریبان ہی سے ہاتھہ اُتھایا ہم نے

از یقیں است

نہ دے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے
صبا تو بھی ہوا خواہوں میں ہے آخر گلستاں کے

تک ایک انصاف کر، کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی
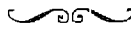
میاں شہاب الدین

ثاقب تخلص، مردے درویشے است متوکل، شاگرد

میاں آبرو - اکثرے شعر خود را پیش خان صاحب سراج الدین علی خاں می آرد - از چندے بوطن خود رفته' که از مضافات بارهه است - با فقیر آشنائی بسیار داشت - تحفۂ روزگار است - درهمه چیز دست دارد' و هیچ نمیداند - حاصل مردے خوبے است' زنده باشد - از وست -

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نیں آکے پوچھا
یه کون مرگیا هے کس کا هے یه جنازا
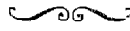
مخفی نماند که احوال یکے ازیں شاعرانِ سمت دکن که پرّ بے رتبه اند ' مگر بعض' چنانچه ولی و سید عبدالولی و سراج و آزاد که معاصر ولی بود سر رشتۂ مربوط گوئی بدست ایشاں یافته میشود - باقی سر کلافه داشت ' حرف زدن همه ها کم است ' لهذا بر تخلص اکثر آنها اکتفا کرده نوشته آمد —

ولی

شاعر ریخته از خاک اورنگ آباد است - میگویند

که در شاهجهان آباد دهلی نیز آمده بود - بخدمت میاں گلشن صاحب رفت ' و از اشعار خود پارهٔ خواند - میاں صاحب فرمودند ' این همه مضامین فارسی که بیکار افتاده اند ' در ریختهٔ خود بکار ببر ' از تو که محاسبه خواهد گرفت - از کمال شهرت احتیاج تعریف ندارد ' و احوالش کما ینبغی معلوم من نیست - از وست —

نپوچھو عشق میں جوش و خروش دل کی ماہیت
برنگ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

اُس کے قدم کی خاک میں صد حشر ہے نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

غرور حسن نے تجکو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھہ گھر ولی آوے

خبر داری سے اُس معشوق کے کوچہ میں جا اے دل
کہ اطراف حرم میں ہے ہمیشہ ڈر حرامی کا

اے غنچہ نکر تو فخر یہ دل تکمہ ہے سجن کی بکٹری کا

دل چھوڑ کے یار کیونکے جاوے
زخمی ہے شکار کیونکے جاوے

دیکھہ کر تجھہ نگاہ کی شوخی
ہوش عاشق رم غزال ہوا

اور مجھہ پاس کیا ہے دینے کو
دیکھہ کر تجکو رو ہی دیتا ہوں

کیا غم ہے اُس کو گرمیٔ خورشید حشر سے
بخت سیاہ جس کے سر اوپر ہے سایہ باں

مت راہ دے رقیب سیہ رو کو ایک بار
ڈرئے ہزار بار بلاے مہیب سے

دشمن دیں کا دین دشمن ہے راہزن کا چراغ رہزن ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اُس کو
کرتی ہے نگہہ جس قد نازک پہ گرانی

کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی
کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجاوے

عالم میں ترے ہوش کی تعریف میں کی ہے
ایسا تو نکر کام کہ مجھہ پر سخن آوے

سن ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق
کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

جلد چل تک عشق کی رہ میں کہ تا پہنچے کہیں
کاہلی کو رہ نوے سالک کہ منزل دور ہے

پہنچتا ہے یہ دل کو ہر جاگہ غم ترا روزیٔ مقدر ہے

عجب کچھہ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں دلبر سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

کیونکہ سیری ہو حسن سے تیرے
دھوپ کھانے سے پیٹ بھرتا نہیں

اے جان ولی وعدۂ دیدار کو اپنے
ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

یک دل نہیں آرزو سے خالی ہر جا ہے محال اگر خلا ہے

گنہا ہوں کے سیہ نامے سے کیا غم اُس پریشاں کو
جسے وہ زلف دست آویز ہو روز قیامت میں

— ※ —

سید عبد الولی سلمہ اللہ

عزلت تخلص از سورت اند، خلف الصدق حضرت سید سعد اللہ قدس سرہ سورتی کہ مستفید عالمگیر بودند، درویش وضع، عالم فاضل، بزرگ متوکل۔ مشق شعر فارسی هم کردہ اند - لیکن مزاج اوشان میلان ریختہ بسیار دارد؛ تازہ وارد هندوستان کہ عبارت از شاہجہان آباد است شدہ اند، نسبتے تمام بسخن دارند - از اسالیب کلام شاں واضح میگردد کہ بہرہ بسیارے از درد مندی دارند - با این همه کمال این قدر وسعت مشرب بهم رسانیدہ اند کہ در هر رنگ چوں آب می

آمیزند - با فقیر جو شہا میکنند - مرد با استقامت اند ، خدا ایشاں را سلامت دارد - از وست —

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لالا فصل ہولی میں
ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگوا ہے

جس خوش نگہ کو پہنچوں غفلت کی نیند لیوے
میں خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہوں

اُس کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں
کسی دشمن سیتی سنا ہوگا

عزلت گماں یوں تھا کہ جل کر ہوا ہے راکھہ
پھر دود آہ دل نیں مرا دیدہ تر کیا

بندے ہیں تیری چھب کے مہ سے جمال والے
سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے

اے بلبل اتنی رو کے دعا ہر سحر تو مانگ
حق تیری آہ سرد چمن کی صبا کرے

نبو جھو یہ بگولہ ہے مرا ہم تول صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے ڈانواڈول صحرا میں

ہوے لیلی کے سر چڑہ اشک مجنوں نیل کے ٹپکے
یے موتی خاک لیتا نہیں کوئی مول صحرا میں

بیاباں کے گلوں سے بوئے رنگ درد آتی ہے
اری بلبل چمن سیں دل اُٹھا آ بول صحرا میں

نخل اُمید بے وفاؤں سے دل سلامت پھرے تو پھل پایا

صحیح اپنا سرض الفت کا جب میں عرض کرتا ہوں
جلے دل کی تشفی کو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے

کیا گرم ہو دیتا ہے جواب خلک اے یار
تاب اپنے دم سرد کی نہیں دل کو ہمارے

چین ابروے سجن میں میرا جیو اُلجھا ہے
دل کھلے گر کبھی دونوں میں گرہ پڑ جاوے

دل میں رندوں کے پھپولا ہوا عمامۂ شیخ
یارب اس بزم سے یہ زھر کا مکڑ جاوے

سدھارے گل کہاں سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلا کر آشیاں اپنے

نبوجھو یہ کہ کیفی چشم پہ سرمہ نے گھیری ہے
گریباں گیرِ ظالم یے سخن فریاد میری ہے

تجھ قبا پر گلاب کا بوتا
دل بلبل گویا ابھی توتا

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا
سواے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

—*—

آزاد تخلص

ہم عصر ولی بود- بسیار بصفا حرف میزد - از وست -

آئیں جہاں کی ساری آزاد صنعتیں پر
جس سے کہ یار ملتا ایسا ھنر نہ آیا

— * —

سراج تخلص

در اورنگ آباد شنیدہ می شود ' شاگرد شاگرد سید حمزہ - ہمیں قدر از بیاض سید مسطور مستفاد می گردد - سخن او خالی از مزہ نیست - از وست -

تم پر فدا ھیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

پی بن مجھہ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نہیں ستاروں کی کیا کمی

نہیں ھے تاب مجھے سامنے ترے جاناں
کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

شعلہ خو جب سے نظر آتا نہیں
لوٹتا ھے تب سے انگاروں میں دل

عجب وہ سرو گلزار ادا خوش‌قد ھوا واقع
پر بلبل نہال گل کو دست رد ھوا واقع

ہائے رہ گئی دل میں دامنگیریوں کی آرزو
سبزۂ تربت مرا ہے پنجۂ گیرا ہنوز

نہیں حقیقت میں حسن و عشق جدا
طوق قمری ہے طرۂ شمشاد

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا پڑا ہے کسی آشنا کے ہات

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا
شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نہیں ہوا اُس شمع رو کے عشق میں داغ ایک 'سراج'
ہیں وہ حسن آتشیں کے ایسے پروانے کئی

مخمور چشموں کی تبرید کرنے کو شبنم ہے سرد آب شوروں کی مانند
روپے کی تھالی سفیدی ہے نرگس کی زردی ہے زر کے کٹوروں کی مانند

دل کے خزانے سیں شاید لے جاویگا جی کے جواہر کو عیاریوں سیں
ہر دم خیال اُس کا آنکھوں کے روزن سیں آتا ہے چھپ چھپ کے چوروں کی مانند

— * —

عارف علی خاں

'عاجز' تخلص - دہ دوازدہ سال شدہ باشد کہ در شاہ جہان آباد تشریف داشت - بندہ شور او شنیدہ بودم - از چندیں بسمت دکن رفتہ۔ اکثرے از زبان سید مذکور

بوضوح می پیوندد که در برهانپور است - دیگر برحسب و نسبش اطلاع ندارم - زبانش بزبان او با شان است - اکثر ریختہ در بحر کبت می گوید - از وست -

میلا کے برسنے کی باو چلی ہے اب آنکھوں سے جان بن آنسو چلیں گے
درد کے نیساں کے گوہر غلطاں تو مٹی میں کنکروں سے آہ رلیں گے

تخت جنوں مرا وحشی دیوانوں نے سر پر اُٹھائے ہیں شوروں سے 'عاجز'
اب میاں مجنوں بیولوں کی سورچولوں کو خرابی میں آپ ہی جھلیں گے

— * —

احمدی گجراتی*

از وست -

ہوے دیدار کے طالب خودی سے خود گذر نکلے
نپائی راہ دانش میں خروشاں بے خبر نکلے

نشان بے نشاں ہم ملک یکرنگی میں پاتے ہیں
خبر چھوڑی دوئی کا ہم نے جب سے ست نگر نکلے

بھرے دونین کے چھگلاں صبوری ساتھ لے توشہ
کمر ہمت سے باندھے ہور پرت کی بات پر نکلے

نین کے ہاتھ کھپرلے پھریں درسن کی بھیکیاں کو
نپائی ایک در پر بھی بھکاری دربدر نکلے

---

* میر اور شفیق نے احمدی لکھا ہے لیکن قایم ' شورش اور حسن نے احمد گجراتی لکھا ہے ' احمد صحیح معلوم ہوتا ہے کاتب نے اضافت کی بجاے (ی) لکھدی ہے —

رقے نادر خیالاں میں ملے شوریدہ حالاں میں
ہوئے صاحب کمالاں میں کدھر سے آ کدھر نکلے

— * —

قاسم مرزا

او ہم ہمیں غزل گفتہ است - معلوم نیست کہ کجائی بود -

گلے میں سر کی لت سیلی سوال ہے خال کا دانا
ہوئے جوگی تو کیا یاں واں جدھر نکلے تدھر نکلے

شعوری جالاپوری

از وست —

برسات میں ندیکھا نظر بھر کر آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھہ پر آفتاب

فضلی

فضلی راست' مثنوئی ایلھم یک نظر دیدہ ام -

شاعر خوبے نبود —

رکھا ہوں نیم جاں جاناں تصدق تجھہ پہ کرنے کو
کیا سب تن کو میں درپن اجھوں درسن نپائے ہوں

ربط بین المصرعین این شعر سبحان اللہ عجب ربط چسپانی است کہ مطلق معلوم نمی شود کہ چہ میگوید و چہ ارادہ کردہ است —

صبائی احمدآبادی

ازوست —

زر سے ہے آشنائی زر سے ملے ہے بھائی
زر نہیں تو ہے جدائی دنیا جو ہے سو زر ہے

محمود

ازوست —

لوگاں کہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں لیکن
جو کوئی پیا سے بچھڑا وہ سخت ہے پتھر سے

محمود تجھ میں دستا پورا ہنر وفا کا
ہے کیا عجب جو بھاوے تو پیو کو اس ہنر سے

سالک

ازوست —

پھروں بیہوش ہو کر میں برہنہ پا بدل تیرے
یقین بوجھوں تمن پیارے کہ سالک کوں لبھایا ہے

ملک

ازوست —

تن من فدا کروں اُس هشیار ساقی اُوپر
یک قطرہ مے چکھا کر جن بے خبر کیا هے

لطفی

ازوست —

تجھ عشق کی اگن سے شعلہ هو جل اُتھا جیو
دل موم کے نمونے گل گل پگھل گیا هے

جیو کا چمن جلا سو جلتی انگار لیکر
اُکلا کے آگ دیلے تیسو جنگل گیا هے

میں عشق کی گلی میں گھاٹل پڑا تھا تس پر
جوبن کا ماتا آکر مجکو کھندل گیا هے

فخری

دیکھوں میں جب تجھے تو چکا چوند لگ رهے
هرگز کدهے نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب

هاشم

دکھن ہور ہلد کے دلبر ہمن سے بے حجاب اچھتے
کہ مکھڑے چاند سے پر جن کے خط پیچ و تاب اچھتے

هاتفی *

تیری انکھیاں ہور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں
اسلام ہور تقوی کہاں زھد اور مسلمانی کدھر

اشرف

پیا بن میرے تیں بیراگ بھایا ہے جو ہونی ہو سو ہو جاوے
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے جو ہونی ہو سو ہو جاوے

غواصی

جو کوئی اس مزرع دل پر برہ کا بیج بوتا ہے
† تو ہرگز اوس کے بستاں میں گل امید ہوتا ہے

---

* قایم اور میر حسن نے "ہاتف" لکھا ہے —
† تو کے بجاے نہ ہونا چاہئے —

خوشنود *

سب رین جاگے سحر پڑہ تو بھی سجن آیا نہیں
جب چھپ کے دیکھی بات میں درشن کو دکھلایا نہیں

جعفر

غمزیاں سوں دیکھو شوخ مجھے مار کر چلے
مجروح تس پہ راہ ملیں تھار کر چلے

عبدالرحیم

آیا فراق اب پیو کا سدہ بدہ گنوا مجنوں کیا
جس بات وہ لیلی گئی اُس بات مجھ جانا پڑا

عبدالبر

سجن کے ہجر کا نیزا جگر کے بیچ لاگا ہے †
نہ چھوٹے کیونکے اب طالع کہ سلوا نپہ جاگا ہے

---

* اکثر تذکرہ نگاروں نے خوشنود لکھا ہے ' یہ دکن کا مشہور شاعر ملک خوشنود ہے —

† اصل میں اسی طرح لکھا ہے —

عزیز اللہ

غزلے گفتہ است، کہ تمام اولیا را درو ذکر کردہ است، مقطعش اینست —

مجھ نوجواں میں کیا سکت بولوں جو ولیاں کے صفت
عاجز عزیز اللہ اوپر دکھن کے سبب پیراں مدد
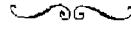
سعدی دکھنی

آنچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا است - از وست —

ہمنا تمن کو دل دیا تملے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

دو نین کے کھپر کروں رو رو بخون دل بھروں
پیش سگ کو یمت دھروں پیا سا نجاوے میت ہے

سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

بیچارہ

پیہہ سے جدا ہونا نہ تھا چاہا خدا کا یوں اتھا
جز صبر اب چارہ نہیں بیچارہ ہو رہنا پڑا

حسن

جب تے سفر پی نے کیا تب تے غریب آوارہ ہوں
پی بیگ تے آنا کریں یا مجکو لیں بلوائے کر

حسیب تخلص

احوالش معلوم نیست، از بیاض سید صاحب مذکور نوشتہ شدہ —

گلبدن پھول کی مت لوکے ڈالی آرے *
دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی "ارے"

مرزا داؤد

داؤد تخلص سیکلدن، شاگرد سید صاحب است -†

---

* یہ شعر اصل میں اسی طرح لکھا ہے —

† داؤد اورنگ آبادی، ولی کا متبع تھا جیسا کہ اس کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے - شاہ سراج کا معاصر اور حریف تھا، اپنے اشعار میں ان پر چوٹ کی ہے - عزلت کی وفات سے بتیس سال قبل ۱۱۵۷ھ میں فوت ہوا ہے - شفیق نے اس کے لڑکے جمال اللہ "عشق" کی زبانی معلوم کرکے وفات کا قطعۂ تاریخ کہا ہے - ایسی صورت میں میر صاحب کا عزلت کے حوالے سے لکھنا تعجب سے خالی نہیں —

ایلقدر هم از زبان سید صاحب بتحقیق رسیدہ - اللہ اعلم-
بارے مصرعے را درست موزون میکند - از وست —

زلف دلبر سے مجکو سودا ہے
خلق کہتی ہے تجکو سودا ہے

میر میران صاحب

کہ سید نوازش‌خاں خطاب دارد و بہید تخلص اوست'
ہمیں قدر معلوم میشود —

آہ گر باغ میں وہ سرو خراماں گذرے
اشک قمری سے گلستان میں طوفاں گذرے

بسکہ ہے آتش غم تیز درونے میں مرے
ناوک ناز ترا دل سے نہ سوزاں گذرے

میر عبد اللہ تجرد

سید عبد الولی میگویند' کہ شاگرد مست - از وست

تجھہ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اُس کی فلک کو خبر نہیں

حکیم یونس

احوال او معلوم نیست، از بیاض سید صاحب نوشته شده —

صبح جب گلشن سے وہ گلرو گیا
باغ سے باہر نکل گلرو گیا

ہے معطر اب تلک صحرا تمام
اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا

سو گیا جلدی جگا یا تھا مجھے
بخت میرا جاگ اٹھا تھا سو گیا

نواب خواجم قلی خاں

هفت هزاری صوبه داری برهانپور است - از معتقدان سید صاحب است —

'موزوں' نہیں راہ عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہے مصلحت سے دور نجانوں کریگا کیا

میر محمد باقر

حزیں تخلص شاعر ریختہ است، صاحب

دیوان از نصیریان مرزا جان جاں مظہر - شنیدہ میشود کہ بہ بنگالہ رفت دیگر احوالش تحقیق نمی گردد - از وست —

اُس بے وفا کے عشق میں کچھ مجکو جس نہیں
پانوں تلک بھی ہائے مجھے دسترس نہیں

محمد علی حشمت
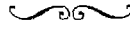
از شاگردان غلی بیگ قبول است - اکثر بر شعرما مردمان اعتراضات بیجا میکرد و جواب با صواب می یافت - در شعر ریختہ کہ بسیار پاجیانہ میگفت ' گپہا دارد - حاصل' عجب ہنگامہ پردازے بود - دریں ایام ہمچو اوے ہم بہم نمی رسد - ہمراہ قطب الدین خاں در جنگ روہلہ کشتہ شد- اوستاد عبدالحی تاباں بود- خداش بیا مرزد- از وست —

جب آ خزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل
تب عندلیب روکے پکاری کہ ہائے گل

خط نیں ترا حسن سب اُڑایا
یہ سبز قدم کہاں سے آیا

میر عبدالحی تاباں

نوجوان بامزہ بود - سید نجیب الطرفین، مولد او شاھجہان آباد ست، بسیار خوش فکر و خوبصورت، خوش خلق، پاکیزہ سیرت، معشوق عاشق مزاج - تاحال در فرقۂ شعرا ھمچو او شاعر خوش ظاھر از مسکن بطون عدم بعرصۂ ظہور جلوہ گر نشدہ بود - زبان رنگینش پاکیزہ تراز برگ گل، گلستان سخن را نازک دماغ بلبل - سمند رنگینیء فکرش با گلگون باد بہار طابق النعل بالنعل است - ھر چند عرصۂ سخن او ھمیں در لفظہائے گل و بلبل تمام است اما بسیار برنگیں می گفت - از دیدن رنگ آتش بے اختیار از دھن من گل کمالش سر میزد - نسبت بشعر او اوستاد او را رتبۂ شاگردی او نبود - با فقیر یک صفائی داشت - از چندے بسبب کم اختلاطی ایں ھیچمدان کدورتے بمیان آمدہ بود - اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید - آخر آخر کہ اوائل جوانی او بود، ایں قدر مداومت شراب کردہ کہ ملاقات ھمہ یاران موقوف

شد - اکثرے از دوستانش کہ بخانۂ او میرفتند ، اورا مست طافح می یافتند ، و آب بردن این ماجرا را ببینید کہ هشت هفت روز زود لعیت حیات سپردن او باقی ماند ، یک مرتبه توبه کرده و بہمه آشنایان خود رقعها نوشته که عزیزان من توبه کرده ام شما شاهد و خبر گیران من باشید چرا که شراب بسبب کثرت استعمال مزاج من شده بود از گذاشتن این از خود گزشتن من پر نزدیک می نماید - غافل از احوال من بودن از عقل بسیار دور است - آخرالامر همان شد که گفته بود - حاصل آفتاب تابان عمر او زود بلب بام رسید - معشوق عجیبے از دست روزگار رفت - افسوس افسوس افسوس - امید قویست که حق تعالی مغفرتش کرده باشد - از وست —

ہے سوز عشق یہاں تئیں مجھہ میں کہ بعد مرگ
پروانہ مرغ روح ہو شمع مزار کا

قد حلقۂ کماں اسی حسرت میں ہو گیا
تیر هدف کبھی نہ هماری ہوئی دعا

اخگر کو چھپا راکھہ میں میں دیکھہ کے سمجھا
تاباں تو تۂ خاک بھی جلتا هی رهے گا

پاس تو سوتا ہے چنچل پر گلے لگتا نہیں
ملتیں کرتے ہی ساری رات ہوجاتی ہے صبح

جیو میں آوے سو کہہ تو تاباں کو
لیس من قیک شتملا بہ قبیح

مرا بس ہوتو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لگ رہی ہیں ترے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے
تجکو دیکھا ہے مگر اُن نے لب بام کہیں

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیونکر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رو
چاند سے مکھ پر ترے اُس وقت آجاتا ہے ابر

آتا ہے فاتحہ کو گلرو رقیب ساتھ
لاتا ہے خار قبر پہ میری بجائے گل

آشنا تو مجھے ہے ایسا کہ جیسا چاہئے
پر جو کچھہ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں
یاراں ہو اور ہوا ہو سبزا ہو اور ہم ہوں

ایمان و دیں سے تاباں کچھہ کام نہیں ہے ہم کو
ساقی ہو اور مے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

ملایا خاک میں گھر کوھکن کا ھائے خسرونہیں
یہ کیا بات آگئی اس خانماں آباد کے دل میں

جفا تو چاھیے اے شوخ مجھہ پہ یہاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے رحمت تیری وفا کے تئیں

دیکھنا ان ماھرویاں کا تو اے تاباں نہ چھوڑ
چاھتا ھے گر ھمیشہ نور بینائی کے تئیں

میرے ھم مشربوں میں آ تاباں
ریجھتے ھوں گے حضرت رمضاں

جوں برگ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ھو کہ برگ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے

محفل کے بیچ سن کے میرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ھیں بتاں تاباں جوں شمع زباں میری
یہاں بات کے کہنے کی ھوتی ھے گلہہ گاری

سفیدی جو آئی ھے ڈاڑھی میں تیری
سمجھہ شیخ یہ تار و پود کفن ھے

شیخ جو حج کو چلا چڑھ کے گدھے پر یارو
زور نہیں ظلم نہیں عقل کی کوتاھی ھے

رکھتا تھا ایک جیو سو تیرے غم میں جا چکا
آخر تو مجھکو خاک میں ظالم ملا چکا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالہ
آتا ہے مجکو تاباں بے اختیار روتا

گلی میں اپنی روتا دیکھہ مجکوں وہ لگا کہنے
کہ کچھہ حاصل نہیں ہونے کا ساری عمر رو بیٹھا

تو بال کھول نہایا تھا ایک دن اب تک
ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں

ہر ایک کو کیجیو تیروں کا اپنے تو قندیل
کھلائیو نہ میرے استخواں ہما کے تئیں

بہے اشک از بسکہ آنکھوں سے میری
لب جو ہوا ہے کنار گریباں

ہاتھہ بیفائدہ زنداں میں نہ دوڑا مجنوں
طوق ہے تیرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

خوان فلک پہ نعمت الوان ہے کہاں
خالی ہیں مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
تک تم کو دیکھہ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

میں گور غریباں پہ جاکر جو دیکھا
بجز نقش پا لوح تربت نہیں ہے

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم
وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا

آرزو ھی رھی پہ دانۂ تاک
قطرۂ مے کبھو نہ ھو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھہ مرے آثار ھلوز
رحم کر رحم کہ جیتا ھے یہ بیمار ھلوز

کیا میں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے بخشیں
جو تو نہ ھووے تو فردوس بھی جھلم ھے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ھے
تجھے بے مروت محبت کہاں ھے

مری گور پر لوگ رکھتے ھیں گل کو
تری دلربائی کی غیرت کہاں ھے

بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ھے

میرا جواب نامہ یہاں لکھہ چکے پر ابتک
قاصد پھرا نہ لیکر وھاں سے جواب نامہ

گئے نالے ترے برباد مانند جرس چپ رہ
اثر دیکھا تری فریاد میں دل ھم نے بس چپ رہ

تری ابرو سے نہ چھوٹے گا مرا دل ھرگز
گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ھوتا ھے

تو مے پی اس قدر ظالم کہ تجھکو کیف کم ھووے
ترا بے ھوش ھوجانا ھمارا ھوش کھوتا ھے

بتاں کے شہر ناپرساں میں کوئی کب داد کو پہنچے
مگر وہاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

قیامت مجھ پہ کل کی رات اس کے ہجر نیں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی
بے خود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی

ہے مجکو خمار شب کا لا صبح ہوئی
شیشہ میں جو کچھ کہ مے ہے باقی ساقی

محمد یار

خاکسار تخلص عرف کلو، شخصے است خادم درگاہ قدم شریف حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ شعر ریختہ میگوید و خود را دور میکشد، و بسیار سفلگی میکند، بلکہ از تلک آبی بنائے ریختہ را بآب رسانیدہ۔ چنانچہ علی الرغم ایں تذکرہ تذکرۂ نوشتہ است، بنام 'معشوق چہل سالۂ خود'، و احوال خود را اول از ہمہ نگاشتہ، و خطاب خود سید الشعرا پیش خود قرار دادہ۔ آتش کینہ کہ بے سبب افروختہ است، چوں کباب بو میدھد، ایلقسم پئے من ریسماں می تابد، کہ گوئی پسر رسن تاب

است - محمد معشوق کلبوہ کہ مردے است نائب میر بحر بسیار گرمجوش و یار باش چوں شنید کہ خاکسار کلو هم نام دارد بداهتاً گفته ، مصرع : —

کتا ھے در یار کا کلو اس کا نام

چوں کلو اکثر نام سگہا میگزارند لطف بہم رسانید - هر کہ دم لابۂ او دیدہ است میدانند - فخر او همہ بر ریختہ است طرفہ ایں کہ آں هم نامربوط و خود او هم ناد رست - تقلید مرزا جان جاں مظہر در هر امر میکند - اگر کسے تکلیف شعر کند گوید کہ وقتے بیمار بودم ' آہ آہ من ایں رنگ داشت - سبحان اللہ مرد مان ایں را شعر می نامند - بابا! من شعر نمی گویم ، و با ایں برادران یوسف کہ ما شاعراں باشیم بربطے .... الغرض بسیار کم فرصت و بے تہ است - ایں چند شعرے کہ بنام او نوشتہ مے آید ' از فیض سخن است ' از و نیست -

دل شیفتہ ہو کے کیا لیا تیں
اے خانہ خراب! کیا کیا تیں

تیری زلف سیہ سے اے پیارے مجکو یکسر ہزار سودا ھے

' خاکسار ' اس کی تو آنکھوں کے کہے مت لگیو
مجکو ان خانہ خرابوں ھی نے بیمار کیا

بر متبع ایں فن پوشیدہ نیست کہ بجائے بیمار کیا گرفتار کیا میبا یست -

تیغ قاتل سے ہوے محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کے اُٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر
یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں
آہ جوں شمع ہے راحت مجھے مرجانے میں

خاکسار عاشق میخوار کو تقوے ستی کیا
ابھی دیکھا تھا میں اس رند کو میخانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے
مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

واسطے یمن کے جا سیل سے ابوے گل کو
گھر ترے خانہ خرابوں سے جو بنیاد کرے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اس خانماں خراب کو چلتا خدا کرے

عشوہ و ناز کو ترے پیارے یہ ترا 'خاکسار' جانے ہے

شانہ آہستہ کیجیو حجام
مار اُس زلف کا رگ جاں ہے

—*—

محمد فقیہ دردمند

ہر چند کہ یک ملاقات با او کردہ ام لیکن خوب از احوالش مطلع نیستم این قدر دانم کہ نظر یافتۂ مرزا مظہر مسطور است، و اشعار او ہم بگوش فقیر نرسیدہ، مگر چند بیت ساقی نامہ کہ در مدح ممدوح خود گفتہ۔

کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل
کہ جس کا ید اللہ ہے ہاتھ بل

کوئی آج اس کے برابر نہیں
وہ سب کچھ ہے الا پیمبر نہیں

کدام محمد علی خانے داشت، در صفت او گوید۔

پڑی اس کی خوبی کی از بسکہ دھوم
لیا ہاتھ قدرت کا صانع نیں چوم

در شروع ساقی نامہ گوید:۔

ارے ساقی اے جان فصل بہار
یہی تھا ہمارا و تیرا قرار

ہمارے بسر نے کی یہ فصل نہیں
فراموش کرنے کی یہ فصل نہیں

در قصیدہ می گوید:۔

تجھے وعدہ کر بھول جانے کی سوں
تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں

در فخریہ گفتہ -

تیری جان کی سوں غنیمت ہوں میں
سلیقوں میں ظالم قیامت ہوں میں

مرا عقل میں کون انباز ہے
ارسطو مرا ایک دوا ساز ہے

فلک چرخ مارے گا گر صد ہزار
نہ لاوے گا مجھسا کوئی رو بکار

در اشتیاق گوید :-

نہ یہ مے نہ یہ باغ رہ جاے گا
نہ ملنے کا یہ داغ رہ جاے گا

خواجہ برہان الدین

عاصمی تخلص شاعر ریختہ و مرثیہ ہم خوب می گوید وضعے معقولے دارد - در شمشیر شناسیش دست تمامے است ، متوطن شاھجہان آباد ، در بہادر پورہ سکونت دارد ، و مزاجش مائل لطیفہ گوئی بسیار است - در علم تاریخ مہارتے خوب پیدا کردہ - از مغتنمات روزگار است ،

اگرچہ روزگار با او مساعدت نمی کند - از وست -

چمن کے تخت پر جس دن شہہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھہ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتایا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا وہاں گل تھا

رات کو میں شمع کی مانند رو کر رہ گیا
صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا
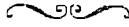
میاں حسن علی

شوق تخلص از شاہجہان آباد است - سپاہی پیشہ شاعر ریختہ شاگرد خان صاحب سراج الدین علی خان - بندہ را بخدمت او ربط کلیست ' اکثر اتفاق ملاقات می اُفتد - از وست -

قاصد پھرا نہ وہاں سے جو اب تک تو آ چکا
القصہ اُس گلی میں گیا جو سو جا چکا

اے یاس مجکو کام اجابت سے کیا رہا
وقتے کہ جب دعا ہی سے میں ہاتھہ اُٹھا چکا

اگر قاصد تیرے کوچہ سے تک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جیو ہی جاوے گا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں
لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں

عبور بحر دنیا میں سبکساری سے کرتا ہوں
حباب آسا شمار دم سے بے کشتی گذرتا ہوں

سراپا آرسی ہیں دیدۂ بیدار پر تو بھی
تیری اس چشم‌خواب آلودہ آگے ہو نہیں سکتے

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے پر علم نہیں کمر کہاں ہے

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے مر گزرا
مری فردائے محشر آج ہے میں کل سے در گذرا

کسی کو باغ دنیا سے ندیکھا شاد ہم جاتے
برنگ شبنم ایک عالم یہاں سے چشم تر گذرا

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں
تربت پہ میری شمع کا جلنا بھی کم نہیں

تروار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے
پیاسے ہو کس کے خون کے ہم میں تو دم نہیں

آ چکا خط یھی پہ تیرا نت نیا ایک ناز ہے
ہو چکی آخر بہار اور اب تئیں آغاز ہے

خبر لے شوق کی ظالم تری فرقت سے مرتا ہے
بداز تلوار ہے اُس پر جو کوئی دم گذرتا ہے

بجھے گی آتش دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی
ہوائے ابر نیں دونی ولے یہ آگ بھڑکائی

بجز مرور کے عاشق سے کچھہ خیال نہیں
ہم اُس کی زلف کو جانا تری ہے سودائی

کیا کیا ستم نہ تھے جو کئے چشم یار نیں
جو سختیاں توہیں مجکو زمانہ دکھا چکا

آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہے کل کا
جوں طفل اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا

رسوا

شخصے بود ہندو، حالا قید مذہب نداشت - پیش ازیں در توپخانہ نوکری کرد - از چندے ترک روزگار گرفتہ آوارۂ دشت گمراہی شدہ - وضع ساختۂ داشت - اکثر کہ در انثائے راہ دیدہ شدہ است، مست گذارہ یافتہ ام - پیشتر عاشق طفل ہندوے بود - اُو از قضا مرد - عاشقیء اُو بہوس مبدل گشت - از بسکہ شراب میخورد و حالات مستی خود بمردمان میدمود، دریں پردہ عالمے را بآب میراند و بسر میبرد - عریانی را لباس خود مقرر کردہ میگشت - آخر در ہماں برہنگی جامہ گذاشت - از وست -

قفس سے واں گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اُڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دیوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

ہر گلی میں گر پڑیں ہیں مست ہو دیوار و در
ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب

آرام تو کہاں کہ تک ایک سو کے چپ رہیں
آنسو بھی نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

— ❊ —

محمد قایم

متخلص بقایم ' جوانے است خیرہ وطیرہ ' حسن پرست ' نوکر پیشہ - مدتے داخل جرگۂ میاں خواجہ میرصاحب ماند - اکنوں با مرزا رفیع مشہور است - با فقیر نیز آشنا است - از وست —

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر ایک حباب کا
اُٹھہ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا

کیوں چھوڑتے ہو درد تہہ جام میکشو
ذرہ ہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

چاہے ما تم کو نت مرے دل میں
اس نگر سے دھا نہیں جاتا

ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم
کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھیو لینا نہ کبھو نام کسی کا

الہی واقعی اتنا ہی بد ہے فسق و فجور
پر اس مزہ کو سمجھتا جو تو بشر ہوتا

بناوے کوئی عمارت سو کس توقع پر
پڑا ہے قصر فریدوں بن آدمی سونا

نیک و بد جو تجھے کرنا ہے سو کر لے قائم
پھیر امید نہیں ہے کہ جواں ہووے گا

کو نوحہ گر کو خاک پہ میری ہو گرم شور
تھا ایک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا

ہم سے بے بال و پر اب جائیں کدھر اے صیاد
کاش تیں ذبح کیا ہوتا کہ آزاد کیا

یکدگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہے
تجکو خواہندہ بہت مجکو طرحدار بہت

بھلا اے ابر مژگاں اب تو بس کر
ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر

بہار عمر ہے قایم کوئی دن
اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

دامن نہ کھینچ خاک سے میری اے شعلہ خو
پُر بے قرار ہے ہوس سوختن ہنوز

اے مصلحت آزمائے عاشق
تب خوش ہو کہ مر ہی جائے عاشق

ہمارے درد دل کے تئیں یے کب بیدرد پوچھیں ہیں
ہم اپنے جیو سے عاجز ہیں اُنھو کو عیش سوجھیں ہیں

رو کے ہے کون تیغ مری عشق نیں کہا
بولا ادھر سے داغ جگر لے سپر کہ ہم

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روے تھے خوں جم رہا ہے آنکھوں میں

موافقت کی بہت شہریوں سے میں لیکن
وہی غزال ابھی رم رہا ہے آنکھوں میں

وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

صحرا پہ گر جلوں مجھے لاوے عذاب میں
کھیلچوں ہر ایک خار کو پائے حباب میں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں

کھلتی ہے چشم دید کو تیری پہ جوں حباب
اپنے تئیں بن آپ نہ آیا نظر کہیں

اے دل برنگ غنچہ نہ مل گلرخوں سے تو
اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

دل تو کہے سنے سے سمجھتا بھی ہے کوئی
جو کچھ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

میں رہ گذر میں پڑا ہوں برنگ نقش قدم
تیں چھوڑا کس کے بھروسے پہ کارواں مجکو

قطعہ

یارو کیوں بکتے ہو بے فائدہ مجھ سے جاؤ
الٹی کہتے ہو مجھے الٹی اُسے سمجھاؤ

وہ نہیں تو کہ تجھے غم ہو کسی عاشق کا
یا کوئی جیو نصیبوں سنتی یا مر جاؤ

— * —

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو

قطعہ

میں کہا خلق تمہاری جو کمر کہتے ہیں
تم بھی کچھ اس کا کہیں ذکر و بیاں سنتے ہو

ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یہ بات
ہوے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

راہ چلتے اُسے رکھتا ہوں اگر گھیر کبھو
ہنس کے کہتا ہے مجھے کام ہے اب پھیر کبھو

جیو میں چاہیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
سر پٹکتا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ

میں دیوانہ ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جیو نکل جاے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

موقوف شغل گریہ میری چشم اگر کرے
اتنا رہے نہ آب کہ لب کوئی تر کرے

پہلے ہی سوجھتی تھی ہمیں اے شب فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے

تجھ سے لگیں تھیں آنکھیں پھنسا مفت میں یہ دل
تقصیر تھی کسو کی گرفتار ہے کوئی

دہن کو تیرے پایا بات کہتے
ہماری جز رسی میں کیا سخن ہے

نہ لگا دل کو اُس کی مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے

اُتھاوے ستم یا جفا، کیا کرے
بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے

میں جاتا ہوں کعبہ سے اب دیر کو
بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

نہ مرنے دیتے ہم 'قایم' کو لیکن
خداوندی سے کچھہ چارا نہیں ہے

یارب کوئی اُس چشم کا بیمار نہ ہووے
دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے

یہ دل وہ جنس ہے کہ دیا گر کہیں اُسے
دھڑکا یہی رہا کہ نہ دے باز پس مجھے

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے
جو گزرے ہے مجھہ پر خدا جانتا ہے

بھٹکا پھروں ہوں یہاں میں اکیلا ہر ایک سمت
اے ہمرہان پیش قدم تم کدھر گئے

جی تنگ چکا ہے جور فروشوں کے ہاتھہ سے
دل دیکھلے کو لیکے جو ظالم مُکر گئے

افغاں و آہ کشتۂ بیداد کیا کرے
جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

رباعی

کیا پشم هیں دنیا کے یہ سب اهل نعیم
بے قدر کریں هم کو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بهی نه کیجے سجده
محراب جو خم نه هو برائے تعظیم

— * —

فضل علی

دانا تخلص، مرد پست نوکر پیشه ' وارسته ' لطیفه گو ' شاگرد میاں مضمون - تلاش لفظ تازه بسیار میکند - اصل او از شاه جهان آباد است - اتفاقاً در موسم هولی تاریخ پانزدهم که مجلس خانهٔ فقیر مقرر است واقع شد - میاں دانا نیز تشریف داشت لیکن به لباس عجبے ' یک تلی سیاه به بر کرده که دامنش تا بزانو بود - چوں رنگ ذات شریف و ریش از حد زیاده هر دو سیاه بود ' مرزا رفیع که سابق گزشت بمجرد مشاهده کردن او گفت که " یارو هولی کا ریچهه آیا " که بزبان فارسی خرس هولی میتواں گفت - چوں در هندوستان رسم است که در آں روزها اراجیف و اطفال وغیرهم

خرس و بوزنہ و اسپ و شتر برای خوشی هم دیگر می سازند ' این لطیفہ بسیار بہ موقع افتاد ' بلکہ صورت گرفت - القصہ دانا عجب کسے است - گاہ گاہ با فقیر نیز ملاقات می کند - از وست -

ہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا
یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہے میرا

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسف مصر مگر تو ہی ہے اے یار عزیز

نچاتے خون کو جس روز میرے اُس کے فاقہ ہے
رگ گردن سے میری اُس کے خنجر کو علاقہ ہے

— * —

اسد یار خاں

انسان تخلص می کرد و شعر ریختہ نیز می گفت - در عصر محمد شاہ بادشاہ ' کہ اکنوں بہ فردوس آرام گاہ ملقب است بامارت رسید ' بسیار بکر و فر معاش می کرد - از اکبر آباد بود - بسبب ناسازیء روزگار کہ باکس نمی سازد و نخواہد ساخت زود فوت شد - از وست -

نہ دیکھی ایک جھلک بھی آپکے تن بیچ اندھوں نیں
اگرچہ ہر بن مو سے بدن سارا شبکا ہے

زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجھمیں ہیں انساں
نظر بھر دیکھہ مشت خاک میں کیا کیا جھمکا ہے

— * —

محمد عارف

عارف تخلص، متصل دہلی دروازہ می باشد - شاگرد میاں مضمون است - ازبسکہ تلاش لفظ تازہ می کند - بعد از سالے و ماہے بیتے ازو موزوں می شود - شعر او خالی از لطف نیست، با فقیر نیز آشنا است -

دختر رز کو کہو کہ اِس سے ملے
ورنہ 'عارف' اقیم کھاوے گا

ہزاروں معنی باریک آویں دل میں اے 'عارف'
اگر زلف سیہ کا پیچ اس کے منہ پہ کھل جاوے

— * —

میاں ہدایت اللہ

ہدایت تخلص، از دہلی است - ریختہ را بطرز می گوید، از یاران خواجہ میر صاحب است - اگرچہ او در

ظاهر بعجز و انکسار پیش می آید اما کمیت خامۂ او در عرصۂ میدان سخن بال بستہ راہ می رود - بندہ از وضع او بسیار محظوظم - از وست -

شہید تیغ ابرو ہے اسیر دام گیسو ہے
ہدایت بھی توکوئی زور ہی شہدا شکستا ہے

یاد آتے ہی زلف کی ہے قہر
پھر گئی جیو پہ سانپ کی سی لہر

تیری زلفوں کی کچھہ چلی تھی بات
روتے ہی گذری آہ ساری رات

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں اے شب فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

— * —

قطعہ بند

بھلا بتاؤ مری جان کچھہ ہدایت نیں
تمہارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا

مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو
کچھہ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

— * —

تجھہ بن اے خونخوار یہاں ہر دم دم شمشیر ھے
سانس جب پلٹے ھے گویا باز گشتی تیر ھے

— * —

بیدار

بیدار تخلص، جوانے است از یاران مرزا مرتضی قلی بیگ فراق - مصرع ریختہ درست موزوں می کند، و مرزا مرتضی قلی شاعر مربوط فارسی است - اکثر در صحبتہا با فقیر بگرمی پیش می آید - از بیدار است -

صفا الماس و گوھر سے فزوں ھے تیرے دنداں کو
کیا تجھہ لب نیں ھمرنگ خجالت لعل و مرجاں کو

— * —

میاں نجم الدین علی

سلام تخلص، مولد او اکبرآباد است، خلف میاں شرف الدین علی خاں پیام کہ احوال او نگاشتہ شد - چوں یار باش و مخاطب صحیح، حقیقت، جمعیت، لیاقت، شخصیت، آدمیت، حرمت، عظمت ھمہ دارد - فقیر را با او از تہ دل اخلاص است - چنانچہ اکثر اوقات اتفاق باھم فکر شعر کردن و گپ زدن و مزاح نمودن می

افتد - جوانے خوبیست - خدا زندہ دارد - از وست -

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بیتابیو! قسم ہے تمہیں میرے صبر کی
مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

— ☼ —

لالہ ٹیک چند

بہار تخلص، مرد مستعد یست، از یاران سراج الدین علی خاں - صاحب تصانیف بسیار، دماغ تفصیل ندارم - برہمن رنگین بہار سخن از لفظ لفظش ہزار ہزار رنگ معنی گل می کند - با فقیر ہم آشنا است -

وہی ایک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلی کا قیس
یہ عجب مظہر ہے جس کے مبتلا ہیں مرد و زن

باعتقاد بندہ بجاے اشارت قریبہ و کلمۂ استعجاب

کہ اول مصرع دویم بکار بردہ است اگر "حسن کیا" می گفت، این شعر واضح تر می شد، فافہم -

سحر یا معجز ہے یہ سچ کیوں نہیں کہتا ، بہار ،
دم ترا جذر اصم سے زور کرتا ہے کرے

ہمیں واعظ ڈرا تا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کیا مغفرت کم ہے

سبھی کرتے ہیں دعوی خوں کا قسمت ہے تو دیکھیں گے
صف محشر میں ہوگا کس کے دامن ہاتھہ قاتل کا

ناز و استغنا ، عتاب ، اعراض سب جانکاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ دل کو ہو نشاط

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خراباتی کیا تجکو مناجاتی

محبت کی قلمرو میں جو جاوے گا تو دیکھے گا
کوئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

میر عبد الرسول نثار

از یاران فقیر مولف است - چنانچہ بمشورت من می گوید - سید نجیب ، جوان سعادت مند ، اصلش اکبر آباد است - در عصر فرخ سیر پادشاہ کہ ھنگامۂ

نیکو سیر در اکبرآباد گرم شدہ بود، بزرگان این با تقدار بسر میبردند - بسیار آراستہ پیراستہ سنجیدہ فہمیدہ - فقیر از وضع او بسیار محظوظ است - از وست —

جو ہے یعقوب یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھہ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھہ بن
منھہ سے اُڑا ہے گل کے گلشن میں رنگ تجھہ بن

ہر سمت صد تمنا تڑپھیں ہیں خاک و خوں میں
ہے صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھہ بن

یہاں گل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنی
وہاں عاشقوں کے سر پہ پڑتے ہیں سنگ تجھہ بن

اکثر ہیں دل فگار ولیکن نہ اس قدر
کتنے ہیں بے قرار ولیکن نہ اس قدر

میں وہ ہوں جس کے رشک سے گل نیں کیا سحر
ٹکڑے جگر ہزار ولیکن نہ اس قدر

ہاتھہ سے اِن جامہ زیبوں کے نکل جاویںگے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویںگے ہم

یہ عزم کس مریض پہ یہ خشم کس پہ شوخ
ایک میں ہوں مضطرب سو تو نبض طپیدہ ہوں

قاصد یہ مقتضا نہیں غیرت کا خط لئے
مشتاق پر فشانی رنگ پریدہ ہوں

طوفان خلق ہووے گا اشک ستم زدہ
ایسا نہ ہووے یار کہ میں آب دیدہ ہوں

میر حسن

متخلص بحسن جوان اہلیست نوکر پیشہ ، اکثر در بندہ خانہ بتقریب مجلس تشریف می آرد - وضع مرد آدمیانہ دارد- مشق شعر از مرزا رفیع میکند- از وست -

لگتا ہے آج مجکو یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مرگیا ہے کوئی خانماں خراب

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑیو
خنجر تو ایک دم کے لئے منھہ نہ موڑیو

جعفر علی خان زکی

مرد عمدہ روزگاریست ، متوطن دھلی ، بادشاہ محمد شاہ برأو فرمایش مثنوی- حقہ کردہ بود ، دو سہ شعر موزوں کرد ، دیگر سر انجام ازو نیافت - اکلوں

شیخ محمد حاتم کہ نوشتہ آمد باتمام رسانید و آں مثلوی خالی از مزہ نیست - پنج چار سال پیش ازیں خانۂ جعفر علی خاں مجمع یارانِ ریختہ مقرر بود - خدا داند چہ واقع شد کہ برھم خورد - شعر ریختہ را جستہ جستہ می گوید - آنچہ از و اشعار شنیدہ شدہ نوشتہ شدہ - از وست —

چمکتے دانت دیکھے یار کے ریخیں جمانے میں
جڑیں ھیں گہتیاں الماس کی نیلم کے خانے میں

از مثلوی او ست در منقبت گفتہ —

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ
نبی کی آل کی بارہ دری دیکھ

نبی کی آل پر سے مجھ وار جانا
اسی بارہ پلے سے پار جانا

در تعریف عشق و آبلہ پا می گوید :-

برہ کی راہ کے گوھر پھپولے
کہ کانٹے ہات میں جاتے ھیں تولے

میاں صلاح الدین

تمکین تخلص ، جوانے بے تمکینے نہ متمکن - باصطلاح

یاران شوخ طبع مرد یست ' درویش وضع ' بکسے کار نه دارد - بہر طوریکه باشد بسر میبرد - ازوست -

حسن اور عشق کو جس روز که ایجاد کیا
مجکو دیوانه کیا تجکو پریزاد کیا

میاں بجگن

خاله زادۂ شیر افگن خانِ حال است - دعوی شاگردي فقیر می کند ' بارے سر به سخنے دارد ' خداش زنده دارد -

اس دل مریض عشق کو آزار هی بهلا
چنگا هو تو ستم هے یه بیمار هی بهلا

محمد امان الله

غریب تخلص که یادش بخیر یک آشنائے بامزه داشتم- بسیار خوش ظاهر بود - زبانش لکنت داشت - ازیں سبب گاهے الکن هم تخلص می آورد - چوں اکثر در باغات مغلپوره میرفت ' بنده اورا " ارنڈ باغاتی " میگفتم - بسبب پریشانیِ روزگار قریب دو سال است که بسمت بنگاله رفت —

تیری بغل ھی میں دل پر داغ ھے غریب
حسرت چمن کی کاھیکو یہ باغ ھے غریب

محمد محسن سلمہ اللہ

محسن تخلص میکند - برادر زادۂ فقیر مولف است - ذھنش بسیار مناسب و سلیقہ اش خیلے درست معلوم میشود - مصرع ریختہ بمشورت من موزوں میکند - سنّش نام خدا تا بہ بست سالگی رسیدہ باشد - خوب خواھد گفت ' انشاء اللہ - از وست —

یوسف مصر پہنچتا ھے کوئی
تجھسے دلبر عزیز دلہا کو

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ
زندہ کرتا ھے نام عیسیٰ کا

دورے گئے وہ کوہ کن و قیس کے جو تھے
میرے جلوں کا اب تو زمانہ میں شور ھے

محسن تمام عمر مجھے روتے ھی کٹی
اس غم کدہ میں آہ کہیں بھی سرور ھے

مرا رنگ رو اس قدر زرد ھے
کہ یہاں زعفراں زار بھی گرد ھے

طپش تشنہ لب تڑپے ہے غالباً
دھڑاکے کا دل میں مرے درد ہے

اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہے زور
مرے پاس بھی ایک دم سرد ہے

بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہو گیا ہے
اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہو گیا ہے

ٹک راہ پر تو آؤ اب سیر کو کہ محسن
مانند نقش پا کے پامال ہو گیا ہے

تعزیت دار حسرت دل ہے
یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے

دل پر آبلہ مرا محسن
رشک آئینۂ حبابی ہے

اس کے کوچہ میں ہے کچھ نالۂ شب کا چرچا
دیکھیو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں

طبع نازک کو مرے ہاتھ ہی میں رکھیو کہ میں
قیس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں

تلک ابرو ہلی، عاشق الٹ گئے
تجھے تلوار سے اے شوخ جس ہے

کیا جانئے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں

اس دشت پر خطر کا میں باشندہ ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گزر نہیں

دل دیلے پر ہو جیو تو کرو خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جیو خالا کا گھر نہیں

مر گیا پوچھی نہ پر تم نے میری زحمت دل
جیو کی جیو ہی میں رہی ہائے مری حسرت دل

سمجھہ تہیدستی کلے کیا تھا کوئی دن آگے
داغ پیسے سے جو ہا تھوں پہ ہیں سب دولت دل

کیا حساب اتنی جفاؤں کا جو میں کھیلچوں ہوں
میں گرفتار بلا میں جو ہوا بابت دل

اے دیدہ خاندان تو اپنا ڈبو چکا
اب روتا تو ہے کیا جو کچھہ ہونا تھا ہوچکا

محسن نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کہ کیا کروں
ایک دل بساط میں تھا میں اس کو بھی کھو چکا

دل مرا وابستۂ زنجیرِ زلفِ یار ہے
ہے تو دیوانہ پر اپنے کام کو ہشیار ہے

اور یہ عاجز تمہارا کچھہ نہیں رکھتا مگر
جان برلب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

تک آ کے دیکھہ نہیں کچھہ بھی حال آنکھوں میں
پھرے ہے اس پہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں

نہ پوچھہ دختر رز کی تو مجھہ سے کیفیت
لیے ہی جاتی ہے دل یہ چھلال آنکھوں میں

جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے آمان کہیں

کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں تجھہ بن
ہو بھی اے مردنِ دشوار اب آسان کہیں

جس دن تری گلی سے میں عزمِ سفر کیا
ہر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

بت خانے کی شکست و درستیء کعبہ ہاے
یہ سب کیا پہ شیخ نیں دل میں نہ گھر کیا

رباعی

جب تخم محبت ہم نے دل میں بویا
دین و دنیا سے ہاتھہ اپنا دھویا
اس عشق میں ہوئے خانہ ویراں یارب
دونوں عالم سے ان نے ہم کو کھویا

میاں ضیاءالدین

ضیا تخلص، متوطن دہلی، جوانے است مودب، مہذب
متواضع، با فقیر ربطے بسیار دارد - ازوست -

جلنت کا مت دو مژدہ مجھہ خاک میں رلے کو
آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

گریان و خاک اُڑاتا جوں ابر جوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

بندرابن

راقم تخلص از شاهجهان آباد است - مشق شعر از مرزا رفیع می کند - قبل ازیں با فقیر نیز مشورت شعر می کرد - با بندہ بسبب میاں ابراهیم کہ جوانے است مربوط و مضبوط آشنا شدہ بود، و میاں ابراهیم از بسکہ با ما شاعران آشنا است، گوئی کہ هم سلیقہ هست - راقم مرقوم و محمد قایم کہ احوالش گزشت هردو هم طرح از راقم است -

یہاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

ایں معنی را در دیوان میر عبدالحی تاباں مرحوم، بہ تغیرِ ردیف بہ همیں الفاظ مطالعہ کردہ ام - ظنِ غالب آنست کہ ایں شعر از تابانِ مذکور است ،

چرا کہ اُو از مدت مشقِ سخن می کرد، و ایں نو مشق است، اللہ اعلم -

دل کلنچ قفس میں کر فریاد بہت رویا
ھلسنے کے تئیں گل کے کر یاد بہت رویا

میرے اعضا میں تجھہ کمر سے میاں
فرق ہرگز نہیں سر مو کا

ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں
موج دریا ھے شکلنچ آستیں

قطعہ

مژگاں سے دل بچے تو ٹکڑے کرے ھے ابرو
یہ کہہ کے میں نیں اُس سے جب دل کی داد چاھی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہوے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاھی

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھہ غرض
مجکو قسم ھے چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں
اتنا ھی چاھتا ھوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں دردِ دل کہیں تک بیٹھہ کر کہیں

— * —

کس کے گلے کے قطرۂ خوں ہیں تہ زمیں
جوں تکمہ اُگتے ہیں گل اورنگ اب تلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب
یارب عجب طرح کا کچھہ آزار ہے مجھے

دیکھا نہ ہو جسے میں کوئی سرزمیں نہیں
پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں

سنتے تھے ہم جہان میں اہل کرم کا ہاتھہ
آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں

مری بد شرابیوں سے کریں توبہ میگساراں
زہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں

سنا کنے حال میرا کہ جوں ابر وہ نہ رویا
رکھے ہے مگر یہ قصہ اثر دعاے باراں

بیچوں ہوں میں اُس پاس یہ دل نیم نگہ کو
اس پر بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے

اے عشق مجھے کوئی طرح مار
تا یار کہے کہ ہاے عاشق

کام عاشقوں کا کچھہ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

کہتا تھا کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ
اس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

سلگتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صبح
ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

معصیت میری بہت ہے کہ تیری بخشش بیش
اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھہ

صیاد کب تو چھوڑے گا مجکو قفس سے آہ
کھٹکے ہے میرے دل میں بہت خار خار باغ

رونے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر
دیکھا نہ تو نے کچھہ کہ دل و دیدہ کیا ہوے

نامہ کا میرے اُس سے لے کر جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

ایک وے بھی دن تھے یارب جو تھا ہمیں میسر
گلشن میں ساتھہ اس کے پیتے شراب پھرنا

کہے کیا درد دل بلبل گلوں سے
اُڑا دیتے ہیں اُس کی بات ہنسکر

جو چاہے گوہر مقصود اے دل
صدف کی طرح تو پاس نفس کر

میاں کمترین

مرد پست وارستہ ، مزاجش میلان ہزل بسیار دارد -
موافق استعداد خود می گوید - بندہ شعر معقول او

نشنیدہ ام - گاہ گاہ در مجلس مرا خته که این لفظ بوزن
مشاعرہ ترا شیدہ اند ملاقات می شود- از شهر آشوب اوست -

نو خصم گن کر مشلچن نیں کیے
تو بهی نہیں رهتی دو شاخه بن دیے

پلا اُس مست نفرانی کو تاڑی
اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بها ندوں سے ذاتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں

دیکھو پکوان والی کی مزاخیں
خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمتریں تمهارے
کے بیر هم کو دوگے نازک بدن پیارے

قدر تخلص

شخصے است وارستهٔ از قید مذهب و ملت برجستهٔ
اوباش وضع؛ زبان او بزبان لوطیان می ماند - گاهے در
کوچه و بازار شهر به نظر می آید - احوال او کما حقه
معلوم فقیر نیست - از وست --

آے ہو آج تو رہ جاو سجن رات کی رات
لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

میر علی نقی

مرد سید یست ' سپاہی پیشہ ' کافر تخلص می کند - در شعرے کہ تخلص می آرد ' کافر تپکہ می نامد - چنانچہ اکثر در مجلس گفتہ می خوانند کہ صاحب دریں ایام یک کافر تپکہ موزوں شدہ است - در ایام گزشتہ دو سہ ماہ خانۂ خود مجلس ریختہ مقرر کردہ بود ' آخر از وضع او باشانۂ او برہم خورد - در بزرگ زادگی او شبہہ نیست - با فقیر ربطے دلی دارد - از وست —

کس کس طرح بتوں کی صورت نیں رنگ پکڑے
کافر ان انکھڑیوں نیں دیکھے ہیں کیا جھمکڑے

عاجز تخلص

شخصے لوطی است - پیر و پوچ چندے بافتہ ' نظر کردۂ میاں کمترین - اکثر در مشاعرۂ حافظ حلیم کہ

مرد یست بسیار گرم جوش و چسپان اختلاط * - حافظ اکثر شعرهاے خوب اوستادان دیده و شنیده است - و حافظ حلیم شعر بطور بو اسحاق اطعمه می گوید - گاهے مصرعے خوب هم از و سر میزند - چنانچه مصرع حضرت حافظ قدس سره العزیز را تضمین کرده است بطرزے که خود می گوید —

صبا بلطف بگو آں بخیل با با را
که سر بکوه و بیاباں تو دادهٔ ما را

و با عاجز ایں عاجز ترین خلایق چنداں ربطے نه دارد - از وست —

دل بغل مارے لیجاتے هیں یه سب مکتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اب لے کر گلستاں دوڑیو

میر گھاسی

جوانے است فهمیده، در مغل پوره می باشد - تخلص از راه اظهار قصور فهم در غزل نمی آرد - بامن هم آشنا ست - از وست —

* یه جمله نا تمام هے - اس مقام سے کچھه لفظ رہ گئے هیں -

تو ہو اور باغ ہو اور زمزمہ کرنا بلبل
تیری آواز سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

عشاق

شخصے است کھتری - شعر ریختہ را بسیار نامربوط می گوید - سلیقہ اش از تخلص پیدا است - اکنوں در مجمع یاران ہم نمی آید کہ مردہ است - ایامے کہ خانۂ میاں صاحب میاں خواجہ میر مجلس ریختہ می شد، بنظر می آمد، و رتبہ داری ایں شعر کہ نوشتہ می شود، از فیض سخن است - ازوست ؎

خط سے زیادہ اور ہوا حسن یار کا
آخر خزاں نہیں کچھہ نہ اُکھاڑا بہار کا

محمد میر

میر تخلص جوانے است بسیار اہل، خوش طبع - ہر چند طرز علحدہ دارد لیکن از خوش کردن تخلص

من نصف دلم از و خوش است - از وست —

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محبوب ہوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

بسمل تخلص

پیش از نوشتن ایں مزخرفات آوازۂ او شنیدہ بودم، باز معلوم نشد کہ کجائی بود و کجا رفت - ازوست —

لہو پی رہ گیا بسمل وگرنہ
ملا تا اپنے تئیں وہ خاک و خوں میں

شاغل

شاغل تخلص جوانے بود بلکہ گاہے مصرعے موزوں میکرد، شاگرد بسمل مسطور میگفت - پیش بندہ ہم دو سہ مرتبہ آمدہ، اکنوں بنظر نمی آید - از وست -

جاتی نہیں ہے اُس سے تری فکر زلف و رخ
شاغل کو روز و شب ہے تیرا ذکر زلف و رخ

دلاورخاں

پیش ازیں ہمرنگ تخلص می کرد، حالا بیرنگ

خوش کردۂ میاں یکرنگ است، مصرعے درست موزوں میکند - از وست -

یار کا جب خیال آتا ہے
ہوش میرا تمام جاتا ہے

دل کوں تجھ عشق سے قرار نہیں
اب تلک تجکو اعتبار نہیں

نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور
دیوانہ ہوں میں گل کے رنگ و بو کا

سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترش
مثل مشہور ہے سویا سو چوکا

ہے ہاتھ ترا خوں سے عاشق کے تر آلودہ
مہندی سے سجن مت کر بار دگر آلودہ

مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجکو
افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ

فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو ایک بوسہ ملتا شکر آلودہ

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

میں تو لکھتا تھا اس کو خط بیرنگ
اس تغافل شعار نے نہ پڑھا

قدرت الله

قدرت تخلص اگرچه عاجز سخن است ، لیکن برائے خاطر میر عارف که از یاران درست فقیراست نوشته شد -

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
حالت نپٹھ بری ہے دل بے قرار کی

میر عزت الله یکدل

مردے سیدے بود ، عاشق سخن - اکثر ملقبت میگفت -
در زمان محمد شاه بادشاه بنظر می آمد - این هم از
زبان میر عارف به تحقیق رسیده - از وست -

نو گل باغ انما کی قسم
سرو گلزار هل اتی کی قسم
میر میدان لافتا کی قسم
میں تو عاشق هوں مرتضی کی قسم

....

دل فدا ہے مجھے خدا کی قسم
شاعروں میں نه میں خیالی هوں
واله و مست هوں ولا کی قسم

میر محمد تقی

فقیر حقیر میر محمد تقی میر مولف ایں نسخہ، متوطن اکبر آباد است، بسبب گردش لیل و نہار از چندے در شاہجہاں آباد است —

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا

جو تیرے کوچہ میں آیا پھر نہیں گاڑھا اسے
تشنۂ خوں میں تو ہوں اس خاک دامنگیر کا

کس طرح سے مانئے یاراں کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے تک چہرہ تو دیکھو میر کا

شب درد و غم سے عرصہ میرے جیو پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھی یا روز جنگ تھا

مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کوئی کیونکے سوتا رہے گا

تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

عید آیندہ تک رہے گا گلا
ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

آنکھوں میں جیو میرا ہے ایدھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

ہونا نہ چار چشم دل اس ظلم پیشہ سے
ہوشیار زینہار خبردار دیکھنا

تجھ سے ہر آن میرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلا کیجے غرض اب وہ زمانا ہی گیا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

بھری تھی آگ تیرے درد دل میں میر ایسی تو
کہ کہتے ہی سجن کے روبرو قاصد کا ملہ آیا

کف جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کوئی ہووے
اچنبھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگ حنا چھوٹا

اب وہ جگر طپش سے تڑپتا ہے تشنہ لب
مدت تلک جو میر کا لوہو پیا کیا

دل میں بھرا زبسکہ خیال شراب تھا
مانند آئنہ کے مرے گھر میں آب تھا

ٹک دیکھ آنکھیں کھول کے اس دم کی حسرتیں
جس دم یہ سوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا

جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو جب چلا ہوں میں تب اس کا جیو نکلتا تھا

نہ گئی تسبیح اُس کی نزع میں بھی میر سے ہرگز
اُسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

مغاں مجھہ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہوویگا
مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے روویگا

ابتو جاتا ہی ہے کعبہ کو تو بت خانے سے
جلد پھریو تجھے اے میر خدا کو سونپا

ترے عشق سے آگے سودا ہوا تھا
پر اتنا میں ظالم نہ رسوا ہوا تھا

خزاں الفت اُس پہ نہ کرنی بجا تھی
یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا

کہاں آتے میسر مجکو تجھہ سے خود نما اتنے
بحسن اتفاق آئینہ تیرے رو برو ٹوٹا

طراوت تھی چمن میں سرو کو یہ اشک قمری سے
ادھر آنکھیں مندی اُس کی کہ اُودھر آب جو ٹوٹا

شب زخم سینہ اُوپر چھڑکا تھا میں نمک کو
ناسور تو کہاں تھا ظالم بڑا مزا تھا

آنکھیں کھلیں جب جیو میر کا گیا تب
دیکھنے سے تجکو ورنہ میرا بھی جیو چلا تھا

ہم نے کہا تھا تیرے تئیں آو سمجھہ نہ ظلم کر
آخر کار بے وفا جیو ہی گیا نہ میر کا

قابو خزاں سے ضعف کا گلشن میں بن گیا
دوش ہوا پہ رنگ گل یا سمن گیا

برگشتہ بخت دیکھ کہ قاصد سفر میں سے
پہنچا تھا اُس کے پاس سو میرے وطن گیا

مر گیا تیشہ سنگسار کیا نخل ماتم سرا یہ پھل لایا

دیر و حرم میں کیونکے قدم رکھ سکوں میں میر
مجھ سے ایدھر تو بت پھرے اُدھر خدا پھرا

جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اُٹھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اُٹھا

عمر گزری مجھے بیمار ہی رہتے ' ہے بجا
دل عزیزوں کا اگر میری عیادت سے اُٹھا

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا
وحشت میں کوئی سیا سو کہیں کا کہیں سیا

دل پہنچا ہلاکت کو نپٹ کھینچ کسالا
لے یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ

جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش
وہاں چادر مہتاب ہے مکڑی کا سا جالا

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالہ

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا
ایک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا

افسوس میرے مردہ پر اتنا نہ کر کہ اب
پچھتاونا عبث ہے جو ہونا تھا ہو چکا

ایک چشمک پیالہ ہے ساقی بہار عمر
جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا

ہر صبح حادثہ سے یہ کہتا ہے آسمان
ہے جام خون مہر کو گر ملہ وہ دھو چکا

میں بھی دنیا میں ہوں ایک نالہ پریشان یکجا
دل کے سو ٹکڑے میرے اور سبھی نالاں یکجا

سر سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہے سر و ساماں یکجا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہوجیو اس جیو کی چاہ کا

آنکھوں میں جیو مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھہ ہوا دل غفراں پناہ کا

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن سمہل کے پہن
ہو گا کمیں میں ہاتھہ کسی داد خواہ کا

کیا طرح ہے آشنا گا ہے گہے نا آشنا
یا تو بیگانہ ہی رہیے ہو جیے یا آشنا

پائیمال صد جفا ناحق نہ ہو اے عندلیب
سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا

قطعہ

بلبلیں رو رو کے یوں کہتی تھیں ہوتا کاشکے
یک مژہ رنگ قراری اس چمن کا آشنا

گو گل ولالہ کہاں سنبل سمن اور نسترن
خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا

کیا دن تھے وے کہ یہاں بھی دل آرمیدہ تھا
رو آشیان طایر رنگ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

حاصل نپوچھہ باغ شہادت کا بوالہوس
یہاں پھل ہر یک درخت کا حلق بریدہ تھا

مت پوچھہ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی
ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا

خواہ مجھہ سے لڑگیا اب خواہ اس سے مل گیا
کیا کہوں اے ہم نشیں میں تجھہ سے حاصل دل گیا

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا
کھب گئی جیو میں تری بانکی ادا

خاک میں مل کے میر اب سمجھے
بے ادائی تھی آسماں کی ادا

سو ہو جل ہی بجھونگا کہ ہو رہا ہوں میں
چراغ مضطرب الحال صبح گاہی کا

گرچہ سردار مزوں کا ہے امیری کا مزا
چھوڑ لذات کو اور لے تو فقیری کا مزا

اے کہ آزاد ہے تک چکھہ نمک مرغ کباب
تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
کچھہ نہیں آتا نظر جب آنکھہ کھولے ہے حباب

مت ڈھلک مژگاں سے میرے اے سرشک آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھہ خورشید تجکو اے محبوب
عرق شرم میں گیا ہے ڈوب

میر شاعر بھی زور کوئی تھا
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

دست صیاد تلک بھی میں نہ پہنچا جیتا
بے قراری نے لیا مجکو تہ دام بہت

سہل سوجھیں تجھے دشواریاں عاشق کی آہ
حسرتیں کتنی گرہ تھیں رمق ایک جاں کے بیچ

حال گلزار زمانہ کا ہے مانا بشفق
رنگ کچھہ اور ہی ہوجاے ہے ایک آن کے بیچ

تاک کی چھاوں میں جوں مست پڑے سوتے ہو
ایلڈتی ہیں نگہیں سایۂ مژگاں کے بیچ

نکلے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
اُبھریں گے دل سے عشق ترے راز میرے بعد

بن گل ہواے آہ میں تو جاکے لوٹیو
صحن چمن میں اے پر پرواز میرے بعد

میرے سنگ مزار پر فرہاد
رکھہ کے تیشہ کہے ہے یا اُستاد

اُدھر تلک ہے عرش کے مشکل سے تک گزر
اے آہ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر

ہم تو اسیر کنج قفس ہوکے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخرکار
ہاتھہ سے جاے گا سر رشتۂ کار آخرکار

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلہ میں اہل دل ضبط نفس بہتر

نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے مجھہ چشم گریاں کے
نظر اے ابر اب آپ ہی نہ آوے گا برس بہتر

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجکو کسی کا ہو انتظار

ساقی تو ایک بار تو توبہ توڑا میری
توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

کر رحم تک کب لگ ستم مجھہ پر جفا کار اس قدر
ایک سینہ خنجر سیلکڑوں ایک جان و آزار اس قدر

بھاگے مری صورت سے وہ عاشق میں اس کی شکل پر
میں اس کا خواہاں یہاں تلک وہ مجھہ سے بیزار اس قدر

قطعہ

دل دماغ اور جگر یہ سب ایک بار
کام آے فراق میں اے یار

کیوں نہ ہو قتنم ضعف اعضا پر
مر گئے اس تشون کے سردار

مجکو پوچھا بھی نہ یہ کون ہے غمناک ہنوز
ہو چکی حشر میں روتا ہوں تہ خاک ہنوز

اشک کی لغزش مستانہ پہ مت کیجو نظر
دامن دیدۂ گریاں ہے مرا پاک ہنوز

باقی نہیں ہے دل میں یہ غم ہے بجا ہنوز
ٹپکے ہے خون دمبدم آنکھوں سے تا ہنوز

احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہہ اٹھا
جیتا ہے وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز

بارہا چل چکی تلوار تیری چال پہ شوخ
تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز

منتظر قتل کے وعدہ کا ہوں اپنے یعنی
جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز

اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس
اس ملک میں ہماری ہیں یہ چشم تر ہی بس

حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا
ایک برگ گل گرا نہ جہاں تھا میرا قفس

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس!
آہ افسوس صد ہزار افسوس!

یوں گذرتا ہے دل کوئی مجکو
یہی آتا ہے بار بار افسوس

آج کل کاہے کو بتلاتے ہو گستاخی معاف
راستی یہ ہے کہ وعدے ہیں تمہارے سب خلاف

پانو پر سے اپنے میرا سر اٹھانے مت جھکو
تیغ باندھی ہے میاں تم نے کمر میں خوش غلاف

سب پہ روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آتی ہے شمع
تجھہ بھبو کے سے کو بیٹھا دیکھہ بجھہ جاتی ہے شمع

بالیں پہ میرے گھر سے تو آوے گا جب تلک
کر جاوں گا سفر ھی میں دنیا سے تب تلک

اتنا دن اور دل سے تپش کرلے کاوشیں
یہ مجھلہ تمام ھی ھے آج شب تلک

نقاش کیوں کہ کھینچ چکا تو شبیہ یار
کھینچوں ھوں ایک نازھی اس کے میں اب تلک

فصل خزاں میں سیر کی ھم نے بھی جاے گل
چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقش پاے گل

اللہ رے عندلیب کی آواز دل خراش
جیو ھی نکل گیا جو کہا ان لے ھاے گل

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفاے بلبل
یک مشت پر پڑے ھیں گلشن میں جاے بلبل

بھلا تم نقد دل لے کر ھمیں دشمن گنو اب تو
کبھی کچھ ھم بھی کرلیں گے حساب دوستاں در دل

کیا بلبل اسیر ھے بے بال و پر کہ ھم
گل کب رکھے ھے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ھم

جیتے ھیں تو دیکھا ویں گے دعواے عندلیب
گل بن خزاں میں اب کے وہ رھتی ھے مر کہ ھم

گرچہ آوارہ جوں صبا ھیں ھم
لیک لگ چلنے کو بلا ھیں ھم

آستاں پر ترے گذر گئی عمر
اسی دروازہ کے گدا ہیں ہم

تیرے کوچہ میں تا بمرگ رکھا
کشتۂ منت وفا ہیں ہم

ہم چشم ہے ہر آبلۂ پا کا مرا اشک
از بسکہ تیری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں

دامن نہ جھٹک ہاتھہ سے میرے کہ ستم گر
ہوں خاک سر راہ کوئی دم میں ہوا ہوں

آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں

گر تنگ ہو درد آئیندہ کو چرخ زشت میں
ان صورتوں کو صرف کرے خاک و خشت میں

تو گلی میں اوس کی جا آ ولے اے صبا نہ چنداں
کہ گڑے ہوے پھر اکھڑیں دل چاک درد منداں

تیرے تیر ناز کے جو یہ ہدف ہوے ہیں ظالم
مگر آہنیں توے ہیں جگر نیاز منداں

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں
اس غمکدہ میں آہ دل خوش کہیں نہیں

آگو تو لعل نو خط خوباں کے دم نہ مار
ہر چند اے مسیح وہ باتیں رہیں نہیں

سن گوش دل سے اب تو سمجھہ بے خبر کہیں
مذکور ہوچکا ہے مرا حال ہر کہیں

اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں
اطراف باغ ہوں گے پڑے مشت پر کہیں

کہا میں نیں رو کر فشارِ گریباں
رگ ابر تھا تارِ تارِ گریباں

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں

تک سن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو
دو چار دن کی باتیں اب منہ پر آئیاں ہیں

مرے آگو نہ شاعر نام پاویں
قیامت کو مگر عرصہ میں آویں

نہ ایک یعقوب رویا اس الم میں
کنوا اندھا ہوا یوسف کے غم میں

تیری زلف سیہ کی یاد میں آنسو ٹپکتے ہیں
اندھیری رات ہے برسات ہے جگنو چمکتے ہیں

جام حکم شراب کرتا ہوں   محتسب کو کباب کرتا ہوں
تک تو رہ اے بلاے ہستی تو   تجکو کیسا خراب کرتا ہوں

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندہ میں کچھہ رہا نہیں

بوے گل اور رنگ گل الله هی الله هے نسیم
لیک بقدر یک نگاہ دیکھیے تو وفا نہیں

ایسے محروم گئے هم تو گرفتار چمن
کہ موے قید میں دیوار بدیوار چمن

سیلہ پر داغ کا احوال میں پوچھوں هوں نسیم
یہ بھی تختہ کبھی هووے گا سزاوار چمن

خون ٹپکے هے پڑا نوک سے هر ایک کے هنوز
کس ستم دیدہ کے مژگان هیں یہ خار چمن

عاشق هے یا مریض هے پوچھو تو میر سے
پاتا هوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

میں وہ پژمردہ سبزہ هوں کہ هوکر خاک سےسرزد
یکایک آگیا اس آسماں کی پاے مالی میں

میرے اُستاد کو فردوس اعلیٰ میں ملے جاگہ
نہ سکھلایا بغیر از عشق مجکو خورد سالی میں

آہ اور اشک هی سدا هے یہاں
روز برسات کی هوا هے یہاں

جس جگھہ هو زمین تفتہ سمجھہ
کہ کوئی دل جلا گڑا هے یہاں

یہ غلط کہ میں پیا هوں قدح شراب تجھہ بن
نہ گلے سے میرے اترا کبھی قطرہ آب تجھہ بن

یہ ہے بستی عاشقوں کی کبھی سیر کر لے چل تو
کہ محلے کے محلے پڑے ہیں خراب تجھ بن

میں لہو پیوں ہوں غم میں عوض شراب ساقی
شب تیغ ہوگئی ہے شب ماہتاب تجھ بن

کٹی عمر میری ساری جیسے شمع باو کے بیچ
یہی رونا جلنا گلنا یہی اضطراب تجھ بن

نسیم مصر کب آئی سواد شہر کنعاں کو
کہ پھر جھولی نہ یہاں سے لے گئی گلہائے حرماں کو

کوئی کانٹا سر رہ کا ہماری خاک پر بس ہے
گل گلزار کیا درکار ہے گور غریباں کو

زباں نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا
میری طینت میں یا رب سودۂ دلہائے نالاں کو

گل و سنبل ہیں نیرنگ قضا مت سر سری گزرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

کریں بال ملک فرش رہ اس ساعت کہ محشر میں
لہو ڈوبا کفن لاویں شہید ناز خوباں کو

صدائے آہ جیوں کے پار ہوئی ہے تیر سی شاید
کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل سے پیکاں کو

کیا سیر اس خرابہ کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسو دیوار کے سایہ میں سلہ پر لے کے داماں کو

کیا ہے گر بد نامی و حالت تباہی بھی نہ ہو
عشق کیسا جس میں اتنی رو سیاہی بھی نہ ہو

جب سے جہاں ہے ہر سحر تیری کروں ہوں جستجو
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

آنکھوں سے دل تلک ہیں چلے خوانِ آرزو
نو امیدیاں ہیں کتنی ہی مہمانِ آرزو

اس منجھلے کو سیر کروں کب تلک کہ ہے
دست ہزار حسرت و دامانِ آرزو

دل پرخوں ہے یہاں تجکو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو تک ایک دیکھلے آ آنکھوں کی
ہر مژہ پر میرے اشکوں سے رواں ہے شیشہ

قطعہ

جا کے پوچھا جو میں کل کارگۂ میںنا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ

کہنے لاگے کہ کدھر بھکا پھرا ہے اے مست
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے کہ یہاں ہے شیشہ

دل ہی سارے تھے پہ ایک وقت میں جو کر کے گداز
شکل شیشہ کی بنائیں ہیں کہاں ہے شیشہ

—— :*: ——

جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ
زمین میکدہ یکدست ہیگی آب زدہ

بلے یہ کیونکہ ملے تو ھی یا ھمیں سمجھیں
ھم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ

کہتے ھیں اُڑ بھی گئے جل کے پرِ پروانہ
کچھہ سلی سوختگاں نے خبرِ پروانہ

سعی اتلی تو ضروری ھے اُٹھے بزم سلگ
اے جگر تفتگیِ بے اثرِ پروانہ

بزم دنیا کی تو دلسوزی سلی ھوگی میر
کس طرح شام یہاں ھو سحرِ پروانہ

اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے
یک نظر گل دیکھنے کے بھی ھمیں لالے پڑے

حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے

اس واسطے کانپوں ھوں کہ ھے آہ نپٹھہ سرد
یہ باؤ کلیجے کے کہیں پار نہ ھووے

کرے ھے خندۂ دنداں نما تو میں بھی روؤں گا
چمکتی زور ھے بجلی مقرر آج باراں ھے

چمن پر نوحہ و زاری سے ھے کس گل کا یہ ماتم
جو شبنم ھے تو گریاں ھے جو بلبل ھے تو نالاں ھے

الم سے یہاں تئیں میں مشق ناتوانی کی
کہ میری جان نہیں تن پر میرے گرانی کی

چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھانبے ہے زباں شمع
وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے

لیتا ہی نکلتا ہے میرا لخت جگر اشک
آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے

اے میر جگر ٹکڑے ہوا دل کی طپش سے
شاید کہ میرے جیو پر اب آن بنی ہے

گرم ہیں شور سے تجھہ حسن کے بازار کئی
رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی

اپنے کوچہ میں نکلیو تو سنبھالے داس
یادگارِ مژۂ میر ہیں وہاں خار کئی

صبح سے بن علاج تو خوش ہے تیرا بیمار آج تو خوش ہے
میر پھر کہیو سر گزشت اپنی بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہے

مر ہی جاویں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے
بھول تو گئے ہو ہمیں پر یہ تمہیں یاد رہے

ہم سے دیوانہ پھریں شہر میں سبحان اللہ
دشت میں قیس پھرے کوہ میں فرہاد رہے

میرے دودِ دل کا تو یہ جوش ہے
کہ عالم جوانِ سیہ پوش ہے

گیا روبرو اُس کے کیوں آئینہ
کہ بیہوشی اُوس کا دم اور ہوش ہے

اچلبھا ہے اگر چپکا رہوں مجھہ پر عتاب آوے
وگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اوس کو خواب آوے

لپیٹا ہے دلِ سوزاں کو اپنے میر نیں خط میں
الٰہی نامہ بر کو اُس کے لے جانے کی تاب آوے

اس دشت میں اے سیل سمہل ہی کے قدم رکھہ
ہر سمت کو یہاں دفن میری تشنہ لبی ہے

بتاں تو چھوڑ دیتے کر کے خاک راہ کے صدقے
مجھے محفوظ رکھا اپنے میں اللہ کے صدقے

کیا خط لکھوں میں گریہ سے فرصت نہیں رہی
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بہی بہی

ملوں کیونکہ ہم رنگ ہو تجھہ سے ظالم
تیرا رنگ شعلہ مرا رنگ کا ہی

اب خدا مغفرت کرے اس کو
صبر مرحوم تھا عجب کوئی

سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے
چلا ہے یار کے کوچہ کو اور مجھہ سے چھپاتا ہے

ہوگئی شہر شہر رسوائی
اے میری موت تو بہلی آئی

میر جب سے گیا ہے دل تب سے
میں تو کچھہ ہو گیا ہوں سودائی

بارے نسیم ضعف سے کل ہم اسیر بھی
سناھتے میں جیو کے گلستاں تلک گئے

صد کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے

تمام اُس کے قد میں سناں کی طرح ہے
نکیلی نپٹھہ اُس جوان کی طرح ہے

قطعہ

اوڑے خاک گاہے رہے گاہ ویراں
خراب اور پریشاں یہاں کی طرح ہے

تعلق کرو میر اس پر جو چاہو
مری جان یہ کچھہ جہاں کی طرح ہے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گزر گئے
بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے

ناصح نرو ویں کیونکہ محبت کے جیو کو ہم
اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے

ھنگامہ میری نعش پہ تیری گلی میں ہے
لے جائیں گے جنازہ کشاں یہاں سے کب مجھے

کاتب کہاں دماغ جواب شکوہ ٹھانیے
بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیے

شب خواب کا لباس ہے عریاں تنی میں یہ
جب سوئیے تو چادر مہتاب تانیے

کب تلک جیو رُکے خفا ہووے
آہ کرنے کی تک ہوا ہووے

بے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم
دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

ہے یہ بازار جنوں منڈی ہے دیوانوں کی
یہاں دوکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی

خانقہ کا تو نہ کر قصد تک اے خانہ خراب
یہی ایک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی

کیونکہ کہیے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا
گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

نہیں وسواس جیو گنوانے کے
ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میری تغییر حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

غافل میں رہا تجھ سے نپٹ ہا ئےجوانی
اے عمر گزشتہ میں تیری قدر نہ جانی

مدت سے هیں ایک مشت پر آوارہ چمن میں
نکلی هے یہ کس کی هوس بال فشانی

یہ جان اگر بید مولہ کہیں دیکھے
رہ گئی هے کسی موے پریشاں کی نشانی

بھاتی هے مجھے ایک طلب بوسہ میں یہ آن
لکنت سی اُلجھہ جاکے تجھے بات نہ آنی

بسکہ هے گردون دوں پرور، دنی
هوئے پیوند زمیں یہ کشتنی

بزم میں سے اب تو چل اے رشک صبح
شمع کے منھہ پر تو پھر گئی مردنی

اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوهو هے
آب هو جاے کہ یہ دل خلۂ پہلو هے

دهر بھی میر طرفہ مقتل هے
جو هے سو کوئی دم کو فیصل هے

روز کہتے هیں ملنے کو خوباں
لیکن اب تک تو روز اول هے

قطعہ

هجر باعث هے بدگمانی کا
غیرت عشق هے تو کب کل هے

مر گیا کوهکن اسی غم سے
آنکهہ اوجهل پہاڑ اوجهل هے

خلجر بکف وہ جب سے سفاک هو گیا هے
ملک ان ستم زدوں کا سب پاک هو گیا هے

دیوار کہلہ هے یہ مت بیٹهہ اس کے سائے
اوٹهہ چل کہ آسماں سب کا واک هو گیا هے

زیر فلک بهلا تو رووے هے آپ کو میر
کس کس طرح کا عالم یہاں خاک هو گیا هے

ساقی گهر چاروں اُور آیا هے
دے بهی مے ابر زور آیا هے

ذوق تیرے وصال کا میرے
نلگے سر تا بگور آیا هے

کل هم سے اس سے بارے ملاقات هو گئی
دو دو بچن کے هونے میں ایک بات هو گئی

کن کن مصیبتوں سے هوئی صبح شام هجر
سو زلفیں هی بلاتے اسے رات هو گئی

گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا
مسجد تو شیخ جیو کی خرابات هو گئی

کتنا خلاف وعدہ هوا هوگا وہ کہ یہاں
نو میدی اور امید مساوات هو گئی

اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہو گئی

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے
ہر سر حرف پہ فریاد نہایت کیجے

قصد اگر امتحان ہے پیارے
اب تلک نیم جان ہے پیارے

سجدہ کرتے ہی سر کٹیں ہیں جہاں
سو تیرا آستان ہے پیارے

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

رباعیات

تجھ رہ سے محال ہے اٹھانا مجکو
خبطی کہے کوئی سیانا مجکو
سر میرا لگا ہے نقش پا سے تیرے
سجدہ کو خدا کے بھی بجانا مجکو

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
میخانہ میں جوش بادہ نوشاں دیکھا
ایک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا سو محلۂ خموشاں دیکھا

کاھیکو کوئی خراب خواری ھوتا
کاھیکو کسی پہ جان بھاری ھوتا
دلخواہ ملاپ ھوتا تو تو ملتے
اے کاش کہ عشق اختیاری ھوتا

— * —

جگ میں جوں شمع پانو جل کر رکھنا
یا بن کے بگولا ھاتھہ مل کر رکھنا
آیا ھے قمار خانۂ عشق میں تو
سر بازی ھے یہاں قدم سنبھل کر رکھنا

— * —

کیا کریے بیان مصیبت اپنی پیارے
دن عمر کے میری غم میں گزرے سارے
رنج و ضعف و بلا ' مصیبت ' محنت
پلپا ھی نہ میں تو ان دکھوں کے مارے
پیغمبر حق نے حق دیکھایا اس کا
معراج ھے کمترین پایا اس کا
سایہ جو اسے نہ تھا یہ باعث ھے گا
کل حشر کو ھوگا سب پہ سایا اس کا

— * —

دل تجھہ پہ چلے نہ کیونکہ میرا بیتاب
یہاں مجکو توقع ھے کہ لاتا ھے جواب
وھاں ان نے شراب پی کے مستی میں میر
کر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب

خاتمه

بدانکه ریخته بر چند ین قسم است - ازانجمله آنچه معلوم فقیر است نوشته می آید - اول آنکه یک مصرعش فارسی ویک هندی ' چنانچه قطعهٔ حضرت امیر علیه الرحمته نوشته شد - دویم اینکه نصف مصرعش هندی و نصف فارسی ' چنانچه شعر میر معز که نوشته آمد - سیوم آنکه حرف و فعل پارسی بکار میبرند و این قبیح است - چهارم آنکه ترکیبات فارسی می آرند ' اکثر ترکیب که مناسب زبان ریخته می افتد ' آن جایز است ' و این را غیر شاعر نمی داند ' و ترکیبے که نامانوس ریخته می باشد آن معیوب است ' و دانستن این نیز موقوف سلیقهٔ شاعری است ' و مختار فقیر هم همین است - اگر ترکیب فارسی موافق گفتگوے ریخته بود مضایقه ندارد - پنجم ایهام است که در شاعران سلف درین فن رواج داشت' اکنون طبعها مصروف این صنعت کم است ' مگر بسیار بشستگی بسته بشود ' و معنیء ایهام این است که لفظے که برو

بناے بیت بود آں دو معنی داشته باشد ، یکے قریب و یکے بعید ، و بعید منظور شاعر باشد و قریب متروک او - ششم اندازاست که ما اختیار کرده ایم و آں محیط همه صنعتها است - تجنیس ، ترصیع ، تشبیه ، صفائے گفتگو ، فصاحت ، بلاغت ، ادا بندی ، خیال وغیره این همه هادر ضمن همین است ، وفقیر هم از همین وتیره محظوظم - هر که را درایں فن طرز خاصے است ایں معنی را می فهمد ، با عوام کارندارم - اینکه نوشته ام براے یاران من سند است نه براے هرکس - زیرا که عرصۀ سخن وسیع است وازتلون چمنستان ظهور آگهم - مصرع

هر گلے را رنگ و بوے دیگر است

ترقیمه

تمام شد نکات الشعراء هندی من تصنیف میر محمدتقی میر تخلص ، بحسب الفرمائش حضرت سید عبد الولی صاحب و قبله عزلت تخلص - کاتب الحروف سید عبد النبی ابن سید محمود ابن میر محمد رضا اصفهانی غفر الله ذنوبهما وستر عیوبهما در بلدۀ فرخنده بنیاد اید بنیاد تحریر فی التاریخ هفدهم رمضان المبارک سنه ۱۱۷۲ یک هزار یک صدوهفتاد و دو من الهجرة النبی صلی الله علیه و آله وسلم -

اشاریہ

الف

ب

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

ن

Anjuman -i- Taraqqi -e- Urdu Series No. 28

NUKAT - USH - SHUARA

A Biographical Anthology

OF

Urdu Poets

BY

MIR TAQI "MIR"

Printed and Published by Anjuman -i- Taraqqi -e- Urdu

Aurangabad (Deccan)

1935

2nd Edition *1000 Copies*